جملہ حقوق محفوظ

سراج الاخلاق

یعنی

مولوی مرزا سلطان احمد خاں صاحب افسر مال منٹگمری

متفرق مضامین کا مجموعہ

جسکو

مولوی سید ممتاز علی صاحب نے

مرتب کرکے

سنہ ۱۹۰۳ء

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپوایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیکی اور بدی

اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کثرت میں جس میں انسان اور حیوانات اور دوسری بے شمار اشیاء پائی جاتی ہیں یا یہ کہو کہ ان سب میں بے شمار تعلقات اور نسبتیں ہیں جن کی بنا پر تخصصات اور اعتبارات محسوس یا موجود ہیں ان میں سے اکثر امور اور وجود یا اعتبارات کی صورتیں اور تحریکی حالتیں خطوط متوازی کی طرح بالمقابل بطور حقائق یا آئینے یا مستقل ہوتی ہیں مگر عالم لا انتہا کی تحریکی جانب سے ان خطوط سوا رکھ [illegible] صاف معلوم یا محسوس ہو [illegible] واسطہ اگر کسی کو کسی کی یا اس اور یا اعتبارات تمام عالم میں موجود ہیں جن سے ہر ایک [illegible] کو اپنے کا کسی یکسی تعلق ہو جاتا ہے کو اس میں کوئی شبہ نہیں [illegible] انسان کا پہلے پہل ان حقائق اور نسبتوں کو ایک کے ساتھ [illegible] اور [illegible] آگاہی میں ایک وقت اور حد سے [illegible] ہوتا ہے۔ مگر [illegible] ہر طرح کے اس امر سے کسی صورت میں انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان [illegible] سے ہی اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کثرت سے بہت سے کیا تمام اصول اور تخصصات کی بنیاد قائم ہوئی ہیں اور روز بروز قائم ہوتی جاتی ہیں۔

اوّل اوّل قدرت نے ہی انسان کے چھوٹے سے دل اور انجان روح کو ان کٹھن اور دلچسپ راہوں میں لگا کر حقائق یا کوائف کی چاشنی اور لطف مذاق سے آشنا کیا ہے ورنہ ان قلوب اور روحوں کو ان مخفی جواہر اور اپنے ذاتی کمالات سے کیا۔ اور کسے حسرت اور آگاہی تھی۔ اگر قدرت کی طرف سے ہی حقائق کی چاشنیاں عطا نہ ہوتیں تو انسان بہت جلد گھبرا جاتا ہے۔ ان رکاوٹوں اور مزاحمات پر کب اور کس صورت میں فاتح اور کامیاب ہو سکتا تھا۔

جیسے ابراہیم علیہ السلام نے پہلی نگاہ میں آفتاب کو خدا سمجھا اور پھر اس سے بڑھ کر

تمام مجموعہ عالم کو رب حامد اور مجیب قدرتی رہبر نے آگاہ کیا تو حقیقت کی راہوں سے
ہو کر اصلی ذات پاک کی شناخت اور نظارہ کیا۔ ایسے ہی ہر شخص کو اگر حسب استعداد
قدرت کی جانب سے جرأت اور رسائی ہوئی تو اس قدر باریکیوں اور دقائق پر کبھی
عبور نہ ہو سکتا۔ اور نہ انسان کی ادراکی قوتوں میں جلا اور ضیا آتی +

قدرت نے جیسے اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کبیر میں مختلف صورتیں اور قسمیں نثار کی
ہیں ایسے ہی حقائق کے ادراک کے واسطے سارے مجموعہ عالم سے حسب استعداد کام
لیا گیا ہے +

جس طرح ایک طاقت اپنے آپ کو کل مجموعہ عالم نہیں کہہ سکتی اور نہ اُس پر مجموعہ
کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ایک ہی طاقت نے اس مجموعہ
کے کمالات یا نقائص کی تشریح اور تفصیل کی ہے یا جو کچھ اس مجموعہ میں اجزائے
مجموعہ کے ادراکات اور اکتسابات یا اقتباسات ہیں وہ سب ایک ہی راہ سے آئے
اور ایک ہی منبع سے نکلے ہیں +

اگر کوئی شخص جرأت کر کے ایسا ادعا کرے بھی تو وہ ضرور ایک فاش غلطی اور ٹھوکر
کھائیگا۔ اگر وہ اپنی نگاہوں کو منازل مطالب اور رسا فد مقاصد تک اور بھی ترقی دیگا
تو اُسے معلوم اور ثابت ہو جائیگا کہ درحقیقت اُس کی رائے اور خیال حقیقت سے کوسوں
دُور ہے۔ ایک مُوحد یا ایک صانع یا مدرک واحد ہونے یا ماننے کا اُسی ذات کو حق اور
شرف حاصل ہے جس کو اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کبیر کا حقیقی صانع اور مدبر کہا جاتا ہے
اور جس کے مقابلہ میں اور سب ذاتیں اور طاقتیں ہیچ اور ناکارہ محض ہیں۔ یہ دعوے
اُسی کو سجتا اور سچ تو یہ ہے اُسی سے پھبتا ہے کہ "میں ہی سب کا موجد اور سب کا
صانع اور مدرک کل اور قادر مطلق اور علت العلل ہوں" اس سارے مجموعہ عالم کی ساری
طاقتیں اور سارے ادراکات اُس کے ایک نقطہ کُن اور اشارے کے آگے ردی اور
خرافات ہیں ہم اور ہماری بضاعت یا ہمارے ادراکات ہی کیا ما آنیم کہ خود دانیم۔
مانا کہ ہم میں سے اکثر طاقتیں زبردست اور ظہر الامور اور قادر بھی ہیں مگر اس ساورت
اور قدرت کو اُس جرأنہ قدرتی اور طاقتہائے ذہنی سے کیا نسبت ــ چہ نسبت خاک را با عالم پاک +

اگر ایک دیا آفتاب کی برابری کا ادعا کرے تو کیا اُس کو سمجھیگا یا اُس کا نور عارضی اُس عالمگیر نور کا مقابلہ کر سکیگا ہرگز نہیں۔ اُس کی ٹمٹماتی روشنی تو اُسی وقت ہوتی ہے۔ کہ جب وہ عالمگیر نور ایک اور عالم میں منتقل ہوتا ہے ؛

اگرچہ دیئے کو آفتاب کے مقابلہ میں عالم ظلمت میں یہ سکت ہے کہ اس سے ہر رہرو اور سالک ہدایت پا سکے مگر اُس نور عالی اور ذات احدیت کے مقابلہ میں تو اس سارے مجموعہ کو اس قدر بھی دعوے ہمسری حاصل نہیں آفتاب کے غروب کے بعد تو دیئے کو ایک حال یعنی روشنی حاصل ہو جاتی ہے لیکن اگر اس صانع کی جانب سے اس مجموعہ کبیر کے مقابلہ میں ذرا بھی دگرگونی کا عالم ہو تو اس کے فنا اور انعدام میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ الحق کل شیئے قایم ہے۔ اگر اس کا سایہ اور ظل نہ ہو تو کوئی وجود اور کوئی طاقت ایک دم کے لیئے بھی ثابت اور قایم نہ رہ سکے یا یوں کہو کہ اُس کے ظل اور ضیا کا نام ہی مجموعہ عالم ہے۔ اگر اس کا ظل اور ضیا نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ قادر مطلق ایک یا چند اشخاص یا طاقتوں سے ہی اس مجموعہ عالم میں کام لیتا اور انہیں کو کل امور اور کل رموز پر مدرک اور حاوی کر دیتا لیکن اگر ایسا ہوتا بھی تو ہم خود ہی کہتے کہ یہ اچھا نہیں ہوا کیونکہ ایسا کرنے سے دُنیا مافیہا دُنیا کے انتظامات میں بہت ہی ابتری واقع ہوتی ؛

یہ بھی اُس کی حکمت ہی ہے کہ اُس ذات پاک نے دنیا کی ہر ایک کل کو اپنے اپنے کام اور دھندوں میں لگا رکھا ہے جس سے یہ چرخہ چل رہا ہے اسی اصول اور اسی بنیاد پر اُس حکیم مطلق نے اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کبیر کے ہر ایک جزو اور حصہ کو ایک جُدا استعداد اور حیثیت بخش رکھی ہے اُسی حیثیت یا استعداد و اندازہ اور پیمانہ پر قدرت کی طرف سے فیضان ہوتا ہے۔ اور اُس فیضان کے موافق ہر ایک حصہ یا جزو کام کر رہا ہے ؛

بقول ایک فلاسفر کے دُنیا کی ہر ایک طاقت ایسا ایسا کام کر رہی ہے جس قدر کسی کو بخشا گیا ہے اُسی قدر صرف کرتا ہے ؛

قدرت کے خزانوں سے ہر ایک کو استعداد کے موافق ملتا اور دیا جاتا ہے اور اُسی پیمانہ کے مطابق ہر ایک طاقت کام کرتی ہے۔ جس قدر کسی کا ظرف ہے وہ اُسی قدر پاتا ہے ظرف میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہی ٹپکتا ہے۔ اگر کوئی طاقت اپنی طاقت سے

زیادہ کام کرنا چاہے تو وہ ایک غلطی کرے گی +

استعداد کیا شئے ہے وہی حالت اور وہی صورت جو ہر ایک وجود اور ذات کو حاصل ہے اور ہر ایک وجود اور ہر ایک ذات کی استعداد جدا جدا ہے۔ اور ہر ایک استعداد کا میلان الگ الگ جیسے ظاہری صورتیں آپس میں مختلف ہیں ایسے ہی باطنی استعدادیں بھی مختلف ہیں۔ جیسے ظاہری نقوش اور صورتوں میں کبھی کبھی یا کسی کسی میں اتحاد نقش یا صورت واقع ہو جاتا ہے ایسے ہی ان باطنی حالتوں میں بھی اتحاد اور میلان یکسوئی پایا جاتا ہے۔ مگر کل امور میں نہیں بلکہ بعض میں اور وہ بھی ہو بہو نہیں بلکہ محض نام کو +

یہ سوال کہ استعدادیں کیوں مختلف ہیں اور ان کے معیار اور پیمانے کیوں الگ الگ رکھے گئے ایک بڑا طویل جواب چاہتا ہے جس کو ہم کسی اور موقع پر بیان کرینگے مگر اس قدر بتائے جاتے ہیں کہ ان اختلافات تو قلمونی کا ہی یہ سارا کھیل ہے کہ اس دُنیا یا اس مجموعہ عالم کو برکات یا حرامات کا موجب کہا جاتا ہے اگر یہ بوقلمونی اور اختلاف نہ ہوتا تو اس قدر کھیڑے اور دلچسپیاں اور ترقیات ہی کیوں ہوتیں +

ہم جو ایک امر کو دوسرے سے نکھارتے اور تمیز کرتے ہیں اوس کا اصلی باعث خیالات اور استعداد کا اختلاف ہی تو ہے کوئی طبیعت کچھ کام کرتی ہے اور کوئی کچھ کسی کا میلان کسی طرف اور کسی کا کسی طرف اگر دس آدمی کی ایک معاملہ پر رائے دریافت کی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ ان دسوں کو آپس میں کلّی اتفاق نہیں یہ بات جدا ہے کہ ایک بحث کے بعد ایک رائے قرار پا جائے

لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتداء میں ہر ایک کی سمت خیال جُدا جُدا ہی ہو گی دوسروں کے معاملہ میں کیا ذاتی اور وجدانی طور پر بھی انسان کے خیالات میں متواتر اختلاف اور تضاد ہوتا رہتا ہے۔ اور ان تبدلات کے بعد ایک تیسری رائے قایم ہوتی ہے +

ہم اختلاف خیالات کے محاسن اور خوبیوں کو ایک جدا موقع پر تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے یہاں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان اختلافات سے ہی دُنیا کی منڈی رونق پر ہے برائی اور بھلائی نیکی یا بدی بالطبع اختلاف خیالات سے ہوئی اور ہوتی ہے اگر تمام لوگ ایک ہی رائے رکھتے تو ہم اُس وقت نہ کہہ سکتے کہ دُنیا کے پردہ پر کون نیکی ہے

اور کون بدی ہے۔ یا نیکی کسے کہتے ہیں اور بدی کس شئے کا نام ہے +

نیکی اور بدی کی تعریف

پہلا سوال یہ ہوگا کہ بدی کس کو کہتے ہیں اور نیکی کسے یا یہ کہ نیکی کی کیا تعریف ہے اور بدی کی کیا۔ اس اوّل سوال کے جواب دیتے وقت ہمیں بہت سے اصولوں اور تخصصات یا مسلمہ قواعد کو دیکھنا ہوگا۔ جب ہم محسب کی حالت میں ہو کر اپنے اردگرد دیکھتے اور وسعت سے نظر کرتے ہیں تو ہمیں ایک تحیر کے عالم میں غوطے مارنے پڑتے ہیں کیونکہ ادھر ادھر کے رور اور کشتیں اور حدمات ہمیں ایک حالت پر نہیں رہنے دیتے ہزاروں ہی ممنوعہ تصویریں نیکی کے قالب میں اور لاکھوں ڈراؤنی اور بھدی شکلیں بدی کے ڈھانچ میں دکھائی دیتی ہیں ہمارا ایک چھوٹا سا دل حکمائی یہ تمیز نہیں کرسکتا کہ ان میں سے کون کون تخصصات اور خیالات واقعی نیکی یا بدی ہیں چاروں طرف سے نیکی اور بدی کے بازاروں میں سے یہی آوازیں آرہی ہیں ہاں یہی نیکی ہے اور بدی بدی +

جس سے پوچھو اسی کے پاس ہزاروں رائیں اور دلائل اثبات اپنے مسئلہ لال کے واسطے موجود ہیں اور ہر ایک اپنے پر ایمان لائے بیٹھا ہے اسی خوفناک یا تذبذب کی حالت میں ایک اعلیٰ آدمی حقیقت کی تصویر کا نظارہ کہاں کر سکتا ہے اور اسے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ سچ کہاں ہے نیکی اور بدی کے بازار میں جا کر یاس ہو جائیگا کہ راستے صاف اور کھلے نہیں ہیں بلکہ خوفناک اور حیرت دلانے والی گزرگاہیں ہیں +

کوئی کہتا ہے یہ نیکی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ کوئی اُس کو بدی قرار دیتا ہے اور کوئی نیکی ایسی متعدد صورتیں ہیں نیکی اور بدی کی تعریف یا حد کو کیا بیان ہو سکے +

تعریف یا حد بیان کرنے سے اوّل ہم اس امر کو تسلیم کیا لئے دیتے ہیں کہ ہماری یہ تعریف اصولی تعریف ہوگی۔ کہ ان کل صورتوں اور اقسام پر حاوی جو اس دنیا کی ہستی میں نظر آتی ہیں +

ہمارے خیال میں کوئی ایسی جامع و مانع تعریف نہیں گذری کہ جو موجودہ اعتبارات اور مختلف خیالات پر کلیاً حاوی ہو۔ لاحادی اور بے اعتبار اگر ہم ایسی تعریف کرسکے کبھی ایسی۔

تو اُس کے الفاظ گویا ایک شکنجہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح ایک بڑے فراخ یا کھلے شکنجہ سے چھوٹے جانور آسانی سے نکل کر یہ وار کر جاتے ہیں اسی طرح پر اس ناموزوں اور غیر محدود تعریفی شکنجہ سے تمام نیکیاں اور ساری بدیاں نکل نکل کر الگ جا کھڑی ہوتی ہیں اور اخیر پر معرف کو معلوم ہوتا ہے کہ دام تعریف میں کوئی صید بھی نہیں رہا ؛

جو خیال - عمل - طریق عمل کسی ایسے فایدے یا سہولیت کا باعث ہو - جو اصول عامہ اور روش قدرت اور سلسلہ نظام عالم کے مخالف واقع نہ ہو یا اُس سے ذاتی یا کسی دوسرے کی سہولت بھلائی - بہتری - بہبود اُسی اُصول عامہ پر نکلتی اور پیدا ہوتی ہو اور جو اُن عام اور اساسی ایام اور سچی آزادی کے منافی۔ ہو وہ ایک نیکی ہے ؛

جو صورت خواہ طریق اس صورت کے منافی اور متضاد ہو اُسے بدی کہا جائیگا اس تعریف میں ہم نے الفاظ اُصول عامہ اور روش قدرت دو ایسے الفاظ بیان کئے ہیں جو تشریح طلب اور کسی قدر مبہم المعانی ہیں روش قدرت سے مراد وہ نیچرل یا فطرتی عمل مراد ہے جو اس مجموعہ کبیر میں دخیل یا موثر ہے اور جس کا ثبوت ساختہ یا مناسب مقدار جو انسانی طبایع میں موجود ہے اور جو بمنزلہ ایک جاری اور مسلمہ قانون کے ہے اور جس پر انسان اور اس مجموعہ عالم کے تمام اجزا اجبارا ناچار عمل کرتے ہیں ؛

اُصول عامہ سے وہ اُصول مراد ہے جو اخیر پر تمام حرکتوں تمام طبیعتوں اور کروٹوں میں انجانات کے بعد حقیقتاً تسلیم کیا جاتا ہے اور جس پر اس تمام دنیوی بکھیڑے کی نیو قایم کی گئی ہے ؛ گو اس اُصول عامہ کی تشریح اور تفصیل کے وقت اور حواشی اور عوارض کو بیان کیا جاتا ہو مگر جڑ اور بنیاد وہی ہے ؛

جو نیکی اور جو بدی اس تعریف کے دائرے میں مستدیر اور محاط ہے وہی نیکی ہے اور وہی بدی ؛

نیکی اور بدی کی قسمیں

گو نیکی اور بدی کا وجود اپنی اپنی ذات میں واحد واقع ہوا ہے مگر دنیاوی حالتوں میں بایک نہیں صدہا اقسام نیکی اور بدی کی پائی جاتی ہیں یا یوں کہو کہ دنیاوی

بازاروں میں نیکی اور بدی کی تقسیم یا تفریق اپنے اپنے جذبات اور کششوں پر کی گئی ہے جدھر جدھر میلان طبائع ہوا ہے اُدھر اُدھر ہی نیکی اور بدی کی طنابیں چھوڑی گئی ہیں یا یوں کہو کہ اختلاف حاجات نے ہر ایک گھر میں نیکی اور بدی کی جُدا جُدا دیویاں بنا رکھی ہیں اور جُدا جُدا راہوں اور آؤبھگت سے اُن کی پرستش اور پوجا ہوتی ہے اور ہر ایک کا یہی خیال ہے کہ اُسی کا ڈھنگ اور خیال درست اور صحیح ہے ؛

اگر تمام گروہوں کی نیکیوں اور بدیوں کی فہرست ہاتھ میں لیکر دیکھی جائے تو مقابلہ سے کاٹتے کاٹتے سب سے کم نمبر رہ جائیں گے۔ جو نیکی ایک گھر میں نیکی ہے وہ دوسرے میں بدی دکھائی گئی ہے جو ایک میں بدی ہے اُس کو دوسرے میں نیکی کے نام سے مانا جاتا ہے محض مانا ہی نہیں جاتا بلکہ اُس پر دلایل اور براہین کا بوجھ بھی لادا جاتا ہے اور بحثوں سے ثابت کیا جاتا ہے کہ صرف یہی نیکی اور یہی بدی ہے یا یوں کہا جائے کہ یورپ کی نیکیاں اور بدیاں اَور ہیں۔ اور ایشیا کی اَور۔ اور ہندو لاء میں بدیاں اور نیکیاں اَور ہیں۔ اور محمڈن اور کرسچن لاء میں اَور۔ یہودیوں میں اَور پارسیوں میں اَور ناستک میں اَور میسیوں میں اَور ہیں۔ لنڈن کے بازاروں میں نیکیوں اور بدیوں کا کوئی اور رخ ہے۔ اور جب ہم نیویارک اور جرمن میں جائیں تو ہم کو اور ہی رخ سے ملتی ہیں۔ ہندوستان کی گلیوں میں اَور الفاظ سے نیکی اور بدی کی منادی کی جاتی ہے اور ایران و توران میں اور الفاظ و دیگر لہجہ سے۔ جب ہمیں دُنیا کے ایک ہی بازار میں دو دکاندار اکٹھے ہی نیکی اور بدی کا سودا کرتے ملتے ہیں تو دونوں کی تعریفیں اور رنگ جُدا جُدا ہوتا ہے ؛

ایک ہمیں کسی اور طرف لے جاتا ہے اور ایک کسی اور طرف پھر جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو اُس میں بھی دونوں کا تنازع ثابت ہوتا ہے جسے ایک نیکی کہتا ہے اُسے دوسرا بدی کے نام سے موسوم کرتا ہے اور جسے ایک بدی کہتا ہے وہ دوسرے کے سوال اور تحقیق میں نیکی ہے ؛

کیا اسی حالت میں کوئی متلاشی یا محقق آسانی اور سہولیت سے حقیقت الامر میں کوئی ناطق فیصلہ کر سکتا ہے یا اُسے اس امر کا علم کافی ہو سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے اور یہ بدی

یا جس قدر قوانین اور اُصول اس وقت دُنیا کے بازاروں میں نیکی اور بدی کی شناخت کے واسطے پائے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام متفق ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بالاتفاق بلا کسی تنازع اور تردید کے اِن اِن اُمور اور اُن اُن خیالات کو نیکی اور بدی قرار دیتے ہیں یا ہم ایک نیکی کو دوسرے بازار میں اُسی حیثیت سے نیکی ثابت کر سکتے ہیں یا اُس کو دوسری نگاہوں میں نیکی تسلیم کیا جائیگا۔ کبھی نہیں۔ اِن مختلف قوانین سے ہم بالاتفاق کسی صورت میں نیکی اور بدی کی شناخت یا کافی موازنہ نہیں کر سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا کے تمام قوانین ایک ہی راہ یا ایک ہی حیثیت سے نیکی اور بدی کو ثابت کرتے ہیں۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف شوارع اور منادی جس قدر نیکیاں یا بدیاں پائی جاتی ہیں وہ سب اصلی محوروں پر ہی قائم اور ثابت ہیں علاوہ بدالقیاس یہ بھی نہیں کہا جائیگا کہ اُن سب شوارع اور طرق میں جس قدر نیکیاں یا بدیاں گشت کر رہی ہیں وہ سب کی سب ہی خلاف حقیقت اور خالی از صداقت ہیں۔ ہم مان لیں گے کہ اُن میں سے اکثر کی ساخت ساختہ حقیقتوں پر ہی محمول ہو گا اور ممکن ہے کہ اُن میں سے اکثر حصے ایک دوسرے کے ساتھ باوجود بعض منافرتوں و منافقتوں کے متحد بھی ہوں اور اُن کا رخ مختلف دوکانوں اور گھرانوں میں یکساں ہی ہو ◊

اگر ہم نیکی اور بدی کی قسموں کو دیکھنا چاہیں تو ہمیں صرف اُصول عامہ کے امداد سے ہی یہ نظارہ کچھ فائدہ نہ دیگا۔ بلکہ اس تلاش میں ہمیں دُنیا کے مختلف گھرانوں اور مشرق منڈیوں کو دیکھنا ہو گا جہاں اور صورتوں میں نیکیاں و بدیاں معرض تعلیم اور عالم تسلیم میں لائی جاتی ہیں اور جہاں ہر ایک منادی کی جانب سے عیب اور ثواب کی منادی کی جاتی ہے ◊

دُنیا میں نیکی اور بدی کی تفریق کئی طور پر کی گئی ہے مذاہب۔ اقوام۔ ممالک فرق۔ خیالات۔ اور اعتبارات کے اعتبار اور لحاظ پر نیکیوں اور بدیوں کو تفریق اور تقسیم کیا گیا ہے اور اُنہیں قسموں کے لحاظ سے ہر ایک شخص اور ہر ایک منادی کی کشش اور منادی ہے مذاہب اور اقوام نے ان تفریقوں اور ان تقسیموں میں ایک دائمی اور کافی حصہ بخرہ لیا ہے۔ ہر ایک مذہب ماہر ایک ملت میں نیکی اور بدی کی

شناخت اور موازنہ کے اصول اور قاعدے جدا جدا رکھے گئے ہیں گو بعض امور اور بعض صورتوں میں کہیں کہیں اتحاد بھی ہو جاتا ہے مگر کثرت اور زور اختلاف کو ہی ہے۔

جو عمل ایک ملت یا ایک مذہب میں نیکی یا بدی قرار دیا گیا ہے وہی دوسرے میں اس کے برعکس سمجھا گیا ہے عموماً اطوار اور طرق کے اعتبار سے بہت فرق اور اختلاف کیا جاتا ہے اگرچہ نفس الامر میں ایک نیکی یا بدی ایک مذہب کی وہی ہے جو دوسرے مذہب و ملت میں مرعی اور مسلّمہ ہے۔ مگر چونکہ طریق اظہار یا آر اس کو فرق آگیا ہے۔ اس واسطے دوسرے فریق نے اس کو سلسلہ مکروہات میں شامل کر کے تردید کر دی ہے اور پھر یہاں تک نوبت آگئی کہ دونوں نے ایک دوسرے کے طریق عمل کو کمال نفرت اور حقارت سے دیکھنا شروع کیا اس وقت کل فرق مذہبی میں جو مخالف اور تضاد پایا جاتا ہے اس کا اصلی باعث اور موجب یہی اختلاف طرق ہے۔ اگر اختلاف طرق کو واقعی سلامت روی سے ایک اعتباری غلطی یا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تو اس قدر اختلاف کی صورتیں ظاہر ہوتیں اور نہ اس قدر جھگڑے پڑتے اصول عامہ کے اعتبار اور لحاظ سے موجودہ مذاہب میں سے ہر ایک مذہب یا مذہبی فرد ایک ہی غرض اور ایک ہی غایت کی جانب عمداً اور دور کر رہا ہے۔ اگرچہ ایک مذہب خدا پرست ہو اور دوسرا الحاد کے گن گاتا ہو تب بھی اصول عامہ کے اعتبار سے ان کا میلان ایک ہی غرض یا ایک ہی علت کی جانب ہوگا

سب ادیان اصول عامہ کے اعتبار سے ایک علت العلل کی طرف میلان اور رجوع کیا جاتا ہے اور اسی کی لگن اور لو میں چند مختلف طرق اور اصولوں کو مرعی اور مدنظر رکھا گیا ہے یہاں تک سب کا اتحاد اور یکسوئی ہی ہے لیکن آگے چل کر جو طریقے اور راہیں اس لو یا لگن کی تکمیل کے بنائے گئے ہیں ان میں خیالات اور اعتبارات کے لحاظ یا اعتبار سے گو فرق آگیا ہے اس فرق اعتباری یا اجتہادی کے باعث آپس میں لوگ چھری کٹاری ہو رہے ہیں اگر ہم صرف علت العلل کے وجود کو ہی مقدم رکھ کر بحث کرنا چاہیں تو ایک بحث بھی باقی نہ رہے گی فیصلہ ہو جائیگا۔ لیکن اگر مختلف اجتہادات اور اعتبارات کو

کو ساتھ دے کر فیصلہ کی کوشش کریں گے تو رایگاں اور فضول ثابت ہوگی کیونکہ ان کوچوں اور ان شوارع میں ہیں مختلف خیالات اور مختلف اعتبارات یا حقائق مفروضہ کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

ہر ایک جان اور ہر ایک دل اپنی جانب ہی کشش کر کے صداقت کی منادی کریگا اور ہم اخیر پر حیران ہو کر خاموش ہو بیٹھیں گے اگر ہم اس بات کی آرزو کریں کہ یہ شوارع اور طرق مذہبی پہلے اُصول علت العلل کی طرح ایک ہی پٹری پر آجائیں تو یہ ایک ترحم دلانے والی مسامحت ثابت ہوگی۔ ممکن نہیں کہ دُنیا کے میدان سے اختلاف خیالات کی صورتیں معدوم ہو جائیں دو مذہب تو جدا رہے اگر ایک مذہب کو ہی غور کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو اس میں بھی طرق اور اعتبارات کے اعتنا سے صدہا اختلافات ہوں گے مذاہب سے اُتر کر اقوام کا نمبر ہے بہت سی نیکیاں اور بہت سی بدیاں قوم کے اعتبار پر ہی تسلیم کی گئی ہیں گو قوم کے طریقوں کا اثر بہ نسبت مذاہب کے کم ہے مگر اس میں بھی ایک حیرت دلانے والی کشش یا جذب ہے قومی اعتبارات سے ایک نیکی نیکی اور ایک بدی بدی ہے لیکن اگر اُس کو دوسری قوم سے پیش کیا جائے تو اُس کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے یہ تفریق اور یہ اختلاف بھی اسی خیال اور وجہ سے ناشی ہوا ہے کہ اصول عامہ کو چھوڑ دیا گیا ہے قومیت کا لحاظ اور پاس گو ایک ضروری اور لابدی امر ہے اور ہر ایک قوم کا یہ فرض اور ایمان ہونا چاہئیے کہ اپنی قومیت کی بہبودی اور بہتری میں دل و جان سے ساعی ہو مگر انہیں حدود میں یہ اختیار ہونا چاہئیے کہ جو اُصول عامہ کے مطابق ہیں۔ پاس قومی کے یہ معنے اور یہ مطلب نہیں کہ ایک اُصول عامہ کو جواب دے کر حقائق کا خون کیا جاوے اگر ایک قوم میں غلط کاری سے ایک امر کو نیکی یا بدی تسلیم کیا گیا ہے اور اب اُس کی اصلاح ہوتی ہے تو اس غلطی اور لغزش کو خوشی سے چھوڑ دینا لازم اور فرض ہے دُنیا میں جس قدر مصدقہ نیکیاں اور بدیاں اس وقت پائی جاتی ہیں اُن کا اتحاد و اتفاق اسی طرح اور اسی اُصول سے ہوا ہے گو ابتدا میں اسی حالت کے چھوڑنے سے دل گھبراتا ہے مگر جب ثابت ہو جاتا ہے کہ ہمارا یہ عمل حقیقت کے منافی نہیں ہے

تو اُس وقت ماننا پڑتا ہے کہ ہماری ضد اور پیچ نامناسب اور ناموزوں تھی۔ اگر واقعی ایک دوسری طاقت دوسری قوم کی طرف سے ایک نیکی اور ایک بدی پیش کی جاتی ہے اور ہم پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہماری اختیاری طاقتیں اُس بارے میں صحیح اور درست نہ تھیں تو پھر کیوں نہیں بلا کسی اعتراض کے اُن مستند صور کو قبول کیا جاتا اعتبارات اور خیالات کی حیثیت سے بھی نیکیوں اور بدیوں کا نرخ لگایا جاتا ہے جیسے ہمارے اعتبارات یا خیالات آپس میں مختلف ہیں ایسے ہی اُن کے ماحصلات اور مفہومات بھی جُدا جُدا ہیں ہر ایک اعتبار یا ہر ایک خیال کے واسطے یہ ضروری اور لازمی نہیں کہ اُس کا ماحصل یا مفہوم حقیقت کے مطابق ہی ہو۔ خیالات اور اعتبارات کی بنیاد ذہنیہ وسائل اور اسباب پر ہوا کرتی ہے اور پھر اُن صورتوں اور حالتوں پر جو انسان کو اضطراری معاملات میں پیش آتی ہیں۔ انسان جس جلدی سے پیش آمدہ صورتوں اور اسباب سے فائدہ اور سود مندی اُٹھانا چاہتا ہے اس قدر اُنکی تشخیص اور تحقیق میں زور نہیں دیتا ہے انسان اس بات کو طبعاً پسند کرتا ہے کہ وہ ہر ایک معاملے میں خود ہی ایک مجتہد اور خود ماحصل ثابت ہو اور جو بات یا جو عقیدہ یا جو رائے وہ معرض بیان میں لائے اُس کو ہر ایک شخص تصدیق یا تسلیم کرے۔ جب انسان ایک دفعہ ایک رائے کو بیان کر چکتا ہے تو اُس وقت اُس کے دل میں ایک پیچ اور حمایت آجاتی ہے گو اُس کو اپنے خیالات کے مخالف کیسے ہی ثبوت ملیں مگر وہ اپنی ضد کو چھوڑنا اپنی تحقیر اور ذلت سمجھتا ہے ۔

یہ ہی صورتیں اور یہی کمیاں ہیں جو انسان کو اقبال حقائق اور راہ صداقت سے روکتی ہیں۔ یہی وجوہ ہیں جن سے انسان متعصب یا ضدی کہلا کر بھی باز نہیں آتا اگر یہ کہا جائے کہ انسان کو اس ردی اور بُری حالت کا علم کافی نہیں تو یہ بھی کسی قدر درست ہوگا۔ کیونکہ خود پسندی اور خود رائی کا حجاب ایک ایسا سخت حجاب ہے جو بعض وقتوں میں پوری ظلمت اور کامل جہالت کا کام دیتا ہے ۔

جب ایک انسان کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ میں راستی اور حق پر ہوں اور میرے مقابلہ میں جو لوگ حق پژوہی اور حق پرستی کا دعوی کرتے ہیں وہ راستی اور حق پر نہیں

میں تو وہ بڑی بڑی دقتوں اور تکلیفوں سے معاملات کی تہ اور اصابت پر عبور کرتا ہے اُسے اگرچہ دلایل اور واقعات سے ہی کیوں نہ سمجھایا جائے مگر اُس کے دل سے وہ خود پسندی کی ظلمت یا جہالت کسی حالت میں بھی دُور نہیں ہوتی اگرچہ کبھی کبھی اُس پر حقیقت کا آفتاب روشن اور طالع بھی ہوتا ہے مگر وہ اُسے بھی ایک دھوکا سراب ہی خیال کرتا ہے یہی حالت ہے جسے حکیموں نے جہل مرکب سے تعبیر کیا ہے ؞

ارادہ اور ضرورت سے خیال ہے انسان جو اجتہادات کرتا اور اُن کو عمل میں لاتا ہے وہ یہی دو ایک اور قابل لحاظ ہیں۔ ضرورت ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کے دل اور خیالات پر بڑی سہولت سے حکومت کر سکتی ہے۔ اگرچہ انسان کیسا ہی قوی دل اور راسخ الاعتقاد ہو مگر ضرورت کا اثر اُس پر پڑ ہی جاتا ہے ؞

ضرورت کے وقت انسان مختلف دلایل اور اسباب سے خواہ مخواہ اجتہادی صورتیں نکال کر ایک از کبھی رائے قایم کر لیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اُسی رائے پر پکّا ہو کر ایک عقیدہ بنا لیتا ہے۔ اور پھر جب دیکھتا ہے کہ اُس کے مخالف کوئی اور شخص کچھ اور کرتا ہے تو اُس کو نیکی یا بدی کے منافی سمجھتا ہے۔ اگر ہم اسی قسم کی نیکیوں اور بدیوں کی فہرست ہاتھ میں لینگے تو ہم کو لا اصول قسمیں معلوم ہونگی اور ہم حیران ہونگے کہ اس قدر صورتیں کہاں سے نکل آئیں ؞

اس قسم کی صورتیں دراصل کوئی حیثیت اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں کیونکہ اُن کا وجود صرف اضطراری ہی ہوتا ہے بسا اوقات رفع ضرورت پر اُن کا وجود ہی اُٹھ جاتا ہے جو لوگ اُن کی تصدیق کرتے ہیں وہی تکذیب پر آمادہ ہو کر باتوں میں اڑاتے ہیں ؞

نیکی اور بدی کا پیمانہ

جیسے اور ہر ایک طاقت یا ہر ایک شے کے واسطے ایک وزن اور ایک پیمانہ ہے ایسے ہی نیکی اور بدی کے واسطے بھی ایک پیمانہ ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ نیکی یا بدی کی شناخت کیا ہے ہم کیونکر جانیں کہ یہ نیکی ہے اور یہ بدی ؞

اگر ہم دُنیا کی کوششوں اور خدمات پر خیال کریں تو ہمیں اس پیمانہ یا موازنہ کی تلاش

میں بہت بڑی دقت اختلافی پڑ گئی اور ہم خوب ہی سرگرداں ہوں گے لیکن اگر ہم اسی اصول عام سے اعتبار جیسے ہم نے نیکی اور بدی کی تعریف بیان کی ہے اخذ کرینگے تو کسی قدر آسانی سے یہ پہچاننا ہمارا فرض ہوگا اور ہم معلوم کر لیں گے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے ؟

نیکی اور بدی کی آواز

[illegible] نیکی اور بدی [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] نیکی اور بدی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] نیکی یا بدی [illegible] [illegible] [illegible] کرتی ہے کہ [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حقائق [illegible] پیدا ہوں [illegible] [illegible] [illegible] ہوتا ہے تو [illegible] طور پر [illegible] ہے [illegible] اور اسی ہوش [illegible] [illegible] آواز [illegible] طور پر [illegible] ہے لیکن چونکہ بعض اسباب [illegible] کا اس پر غلبہ اور تسلط ہوتا ہے اس واسطے اس وقت کوئی اس طور پر تمیز نہیں کر سکتا ٭

جب کوئی آدمی چوری یا رہزنی کرتا ہے تو اُس وقت خود وہی فعل اور کرتب اُس کو اپنی بُرائی اور مذمت پر نوٹس دیتا اور منادی کرتا ہے انسان جانتا اور سمجھتا ہے کہ میرا یہ فعل بُرا اور خراب ہے مگر نادم نہیں ہوتا جب انسان کسی دوسرے انسان کو مارتا اور [illegible] کرتا ہے۔ تو وہ مار اور وقت ہی اُس کو اپنی بُرائی اور ذلت پر آگاہ کرتی ہے۔ اور اُسے صاف صاف معلوم اور ثابت ہو جاتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور میرا یہ فعل اچھا نہیں مگر خاموشی سے اُس طبعی نوٹس اور منادی کو سُن کر فراموش کر دیتا ہے۔

اسی آن میں جبکہ ہم بُرا کام کرتے اور مذموم [illegible] کرتے ہیں ہمارے دل میں ایک ندامت آمیز تھرتھری پیدا ہو کر گدگدی سی ہوتی ہے لیکن ہم باوجود ایک جہالت اور ندامت آمیز گدگدی کے صاف گزر جاتے ہیں یہی حال نیکی اور اچھائی کا ہے جب ہم کوئی اچھا اور نیک کام کرتے ہیں تو اُس وقت ہمارا دل اور [illegible] کی توضیح نہیں اُس کی عمدگی اور اچھائی پر آگاہ کرتی ہیں اور اُس نگاری سے ہمارے دل و جان اور رگ پٹھوں میں ایک نشاط اور ترنگ سی پیدا ہوتی ہے جس سے ہمارا حوصلہ بڑھتا اور نیکی کرنے کا جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان [illegible] اور [illegible] سے درگذر کرے اسی اطلاعی منادی اور [illegible] پر غور کرے تو اُس کے [illegible] کے واسطے ایک عمدہ [illegible] ہو جائیگا۔

اور فعل انسان کے ساتھ ہی اُسے دل کے پردوں سے منع کرتی اور ضمیر آواز اُس کو آزاد [illegible] سنائی دیتی ہے جس وقت اُس کو اِس مشق اور کامل پریکٹس ہو جائے گی تو وہ ایک نگاہ میں ہی بُرائی اور اچھائی میں تمیز کر لیا کریگا۔

جداست [illegible] انسان کے دل میں ایک نور اور قوت [illegible] لفظوں میں ضمیر اور کانشنس کہتے ہیں جنوں ہی اس نور اور قوت سے کوئی بُرا اور بھلا امر قبح اور حُسن کرتا ہے ویسے ہی اُس کو اُس کی حقیقت پر کچھ نہ کچھ آگاہی ہو جاتی ہے اور اُس آگاہی کو انسان بعد میں خود سنتا اور پاتا ہے۔

جن لوگوں کی ارواح اور قلوب خرافات دنیوی اور مشاغل ردیہ سے صاف اور مبرا ہوتے ہیں اُن کی قوت ضمیری کمال صفائی سے امور اور حقائق کی کُنہ پر آگاہ اور مطلع

ہو جاتی ہے۔ اِسی خاص حالت کو اعلیٰ حکمت اور ولایت یا قربت الی اللہ کہتے ہیں ٭

یہ اعتراض کیا جائیگا کہ کیوں بعض دِل خود ہی انسان کو بُرائیوں پر لگا کر نیکیوں سے دُور رکھتے ہیں کیا ان میں ایسی منادی کا جوش نہیں ہے یہ سچ ہے مگر یہ کرتوتیں دل کی نہیں ہوتیں بلکہ اُس کا حدوث محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ قوت ضمیری اور نور قلبی میں ظلمت اور سیاہی دخیل ہو جاتی ہے اور دِل اُس حالت میں بُرے اور بھلے میں تمیز نہیں کر سکتا اور وہ ایک مصیبت میں گرفتار ہو کر اندھا اور بہرہ اور گونگا ہو جاتا ہے نہ سُنتا ہے نہ سنا تا ہے اُس حالت کا نام صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ہے۔

یہی حالت ہے جس سے بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں اور اہل اللہ نے پناہ مانگی ہے یہی حالت ہے جس سے تمام سمجھنے والوں کے دل اور سوچنے والوں کی روح اور غور کرنے والوں کے دماغ لرزتے اور کانپتے ہیں یہی حالت ہے جو انسان کو اس دُنیا اور آنے والی آخرت میں اعمیٰ بناتی ہے۔ یہی حالت ہے جس سے انسان اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے اور اُس کو یہ نہیں سوجھتا کہ میں کیا تھا اور کیا کرتا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیے ٭

ایسی تاریک اور ظلمات کی حالت میں دِل انسان کو کیا منادی کر سکتا ہے اور اُس کی آگاہی کیا کام دے سکتی ہے اگر ایک شخص کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر رستہ پوچھا جائے تو کیا جواب دیگا ٭

نیکی اور بدی کا محل

اگرچہ یہ عام حکم ہے اور اسی پر اخلاقی قوانین کا رواج ہے کہ بدی سے ہر ایک وقت بچنا چاہیے اور نیکی ہر وقت کی جائے لیکن ہم کو دُنیا کے کاروبار اور نشیب و فراز یہ بھی سکھاتے ہیں کہ بعض صورتوں میں اِن کا محل اور موقع بھی دیکھنا پڑتا ہے ٭

اگرچہ ایک نیکی نیکی ہے مگر بعض صورتوں میں وہ بدی کا اثر بھی رکھتی ہے یہ انقلاب اور کایا پلٹ صرف اس واسطے ہوتی ہے کہ ابھی اِس کا موقع اور محل نہیں تھا اگر موقع پر ہوتی تو یہ انقلاب اور کایا پلٹ نہ ہوتی ٭

ایک انسان کو ایک غذا کے کھانے سے جس کا وہ مختار اور مشتاق بھی ہے ضرراً
اور حکماً روکے دینا بے شک ایک تعدی اور بُرائی ہے لیکن اگر طبیب اُس کے حق میں
اُس غذا کو ایک آفت خیال کرتا ہے تو غذا ... یا ہی اُس ماؤف کے حق میں ایک نکو
ہے۔ ایک بچہ جس نے ابھی ضروری تعلیم بھی نہ پائی ہو اس کی سیاحت کرایا جانا ہے
سیاحت ایک اچھا خیال اور اچھا کام ہے لیکن اس لڑکے کے واسطے اس عمر میں ... آ
پر تیار ہو جانا کیا مناسب سمجھیں ... اُس کو ضروری ...
محصول سے مایوس رہنا پڑیگا ٭

کوئی دوسرا شخص ایک شخص کو خطرات ... حاصل کرنے سے روک نہیں سکتا
لیکن جو خطوط انسان کی زندگی پر اثر ... اس خواہش میں ایک ... ہ
خطا ہوتے ہیں ان سے قانون اور اخلاقی ... مخلوق کو روکتے ہیں۔ اگر ...
اُن خطوط کے استعمال کی بھی کسی طور اجازت ... تو دنیا میں بُرائی کا ...
ہی بڑھ جائے اُن کو اخلاقی قوانین ... روکتے کہ وہ ... ہیں
ناکہ اس ... کہ اُن کا حاصل کرنا ... اور بعض اوقات ...
حیل اور بدنامی ان لوگوں کو ... اور یہ کرنا نفس الامر میں ایک برائی ...
کی مخالفت ہے مگر برائیوں اور جرائم ... کے واسطے ایسا کرنا لازمی ...
اگر ایسا عمل ... تو دنیا میں ایک ... بھی امن اور آزادی ...
ایک عمدہ خیال ہے کہ ہر ایک شخص ... گروہ کو انسانی چار دیوار ... آزادی ہو کسی شخص کا کوئی حق اور دعوی نہیں کہ دوسروں پر حکومت ...
طائفہ یا گروہ کو ... اختیارات نہیں ہونے چاہییں کہ ایک گروہ یا فرقہ یا اہل ...
کوئی قانون یا کوئی ضابطہ مقرر کرے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اپنے خیالات اور ...
آزاد ہے۔ ہے تو یہ درست لیکن اگر خیال ... اور ان اقتدارات کی خرابیوں ...
تو ثابت ہوگا کہ ملک اور ... میں حکومت ... اور گورنمنٹ کا وجود بھی غنیمت ہے۔ اگر یہ
حکومتیں اور قانونی پابندیاں نہ ہوں تو تمام دُنیا ہی مختلف آفتوں اور بلاؤں میں گرفتار
ہو کر جلد تباہ اور برباد ہو جائے اور پھر جو لوگ اس کی مخالفت میں ہیں وہ بھی ایسی ہی

رسالوں سے مقرر اور معرف ہوں کہ ایسی خود سری اور آزادی بھی و مال حال ہے جن قوموں اور جن ملکوں میں یہ خوفناک صورتیں پائی جاتی ہیں اُن سے پوچھو کہ باقاعدہ حکومتوں اور قوانین کی برکتیں کیسی ہوتی ہیں۔ ہر ایک ملک اور قوم کو اُسی حالت میں برکات اور عمدگیاں مل سکتی اور ملی ہیں کہ جب اُس میں باقاعدہ حکومتیں اور مفید قوانین کا اجرا عمل میں آیا ہے۔

اگر بدو دنیا سے ہی اِن امور پر غور ہوتا تو شاید ملک کا حال خدا کا خوان خرابہ ہوتا۔

اب جو ان باتی جماعتوں سے جمہوری حکومتوں کے اصولوں کو لیں کہ ان کا اصلی موجب یہی ہے کہ شخصی اختیارات سے ہم کی بدیاں اور برائیاں ناشی ہو کر مخلوق خدا کی تباہی اور بربادی کا موجب بنتی ہیں۔ جب شخصی حکومت [illegible] اور [illegible] توحش بالعموم کوئی [illegible] ہر ایک [illegible] جو [illegible] ہو جاتی ہے کہ مخلوق خدا [illegible] حقوق [illegible] [illegible] جیسا کہ ہر ایک [illegible]

[illegible]

نہ انسان اس کا [illegible] ایسی بات [illegible] جس کو آزادی حاصل [illegible]

[illegible] ان اصولوں اور [illegible] کا اطلاق عمل میں [illegible] [illegible] بھی اور [illegible] [illegible] [illegible] ناظم ہو سکتی [illegible] لوگ آزادی سے [illegible] میں کیوں کر آباد ہو سکتے ہیں۔

بظاہر یہ ایک ظلم ہے کہ ایک جاندار دوسرے کو اپنے کاموں میں تکلیف و اذیت دے۔ انسان کا کوئی حق نہیں کہ ایک گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر اس کو بیسیوں کوس [illegible] دوڑاتا پھرے اگر اس جانور سے یہ پوچھا جائیگا کہ تم اس کی [illegible] پر رضامند ہو تو اس کی جانب سے کبھی رضامندی [illegible]

اگرچہ گھوڑے یا اونٹ کو کیسی ہی عمدہ [illegible] حاصل [illegible] کسی طرح ممکن نہیں کہ [illegible] انسان کو [illegible] [illegible]

بیل اور جاموش سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا تم قلبہ رانی سے خوش ہو تو کبھی اُن کی طرف سے یا اُن کی زبان سے رضامندی کا اظہار نہ ہوگا۔ اگر انسان اس اپنے عمل پر خود بھی نظر ثانی کریگا تو اُس کو کہنا پڑیگا کہ اُس کا یہ عمل تکلیف اور اسراف کے لحاظ سے تو ضروری یا یہ انصاف اور رحم سے گرا ہوا ہے۔ یہ ہے تو درست لیکن اگر ان خیالات پر عمل کیا جائے تو نظام عالم میں ایسا انقلاب آئیگا اور ایسی کھلبلی مچے گی کہ حضرت انسان کو ہی ان چار دیواری سے نو ریا بدھا اُٹھا کر کسی اور گوشت کی تلاش میں سرگرداں ہو جانا پڑیگا۔ دیکھو گو یہ انسانی عمل حیوان چار پایوں سے روا رکھا گیا ہے۔ ایک بیرحمی کا عمل ہے اور نیکی کے پایہ سے خارج ہے مگر چونکہ اس کے سوا نظام عالم کا بیڑہ نہیں چلتا اس واسطے ضرورتاً اور بہ اضطرار ایسا کرنا ہی پڑتا ہے اور ایسی حالت میں تمدنی قوانین کے اعتبار سے یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ اس نظام عالم میں نوع اعلیٰ کے واسطے نوع اسفل سے ضرور انسانی خدمتیں لینا درست اور واجب ہے۔ جب ذرا اچھوتوں میں ٹڈی اور [illegible] سوا [illegible] کثرت سے بڑھتے ہیں اور گنتی میں زیادہ ہو جاتے [illegible] اس وقت لوگ ان کو اکٹھا کر مار ڈالتے ہیں جو لوگ [illegible] اور [illegible] ان [illegible] شریک [illegible] اگر حقیقت الامر پر غور کیا جائے تو [illegible] اور [illegible] کسی [illegible] اور [illegible] ہیں [illegible] کیونکہ جو [illegible] ان [illegible] اُس [illegible] سے [illegible] اگر انسانوں کی کمائی [illegible] اور [illegible] تصور ہے اُن کا یہ فعل [illegible] اگر وہ انسانہ کریں تو اُن کا گذارہ مشکل ہو [illegible] ڈالنا بھی بیرحمی اور سنگ دلی ہے لیکن [illegible] کوئی [illegible] کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس صورت میں [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

سے ساتھ اس قسم کے مراعات کا ملحوظ رکھنا نظام عالم اور خود اُن کے واسطے سخت ناموزوں اور نامناسب ہے۔ نظام عالم کی ضرورتیں اجازت نہیں دیتیں کہ ایسے نافرمان اور جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کے سلوک مرعی رکھے جائیں ؛

جس طرح ایک نیکی کے واسطے وقت اور محل یا ضرورت موجود ہو سکتی ہے اسی طرح ایک بدی کے واسطے بھی یہ صورتیں موجود ہو سکتی ہیں بعض وقت اور بعض صورتوں میں گو بدی کا عمل موردِ ندامت ہوتا ہے مگر وقت اور ضرورت اس کی اجازت نہیں دیتی ؛ ایک بڑے باغی کو قتل کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ آئندہ کے لئے جرموں کی صفائی ہو مگر جب دیکھا جاتا ہے کہ اس کے سزا دینے سے فتنہ اور شورش کی آگ اور بھی مشتعل ہوگی تو اس کو انعام دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے ایسے وقتوں میں دیکھنے والے آئندہ کی صعوبتوں اور کامیابیوں اور ناکامیوں کو دور کر کے عمل کرتے ہیں۔ ایسے عملوں سے ظاہر بین اور نرم مزاج لوگ بڑی جلدی اور تیزی سے نکتہ چینی پر تیار ہو جاتے ہیں مگر ان کو سوچنا چاہئے کہ معاملات کی صورت کیا تھی موجودہ بدی اور آئندہ کی خرابیوں کے مقابلے سے کس کی ضرورت کھل جائے گی ؛

قبل اس کے کہ ہم کسی نیکی اور بدی پر مقابلہ کے لحاظ سے اعتراض کریں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کا موقع اور محل کیا ہے اور اس وقت کی حالت کیا تھی ؛

نیکی اور بدی کی مقدار

اگرچہ برابر نیکی اور بدی [illegible] نیکی اور بدی ہوتی مگر [illegible] ان کے درجے اور حقیقت میں کوئی نیکی [illegible] اور کوئی کسی کی۔ کسی بدی کا [illegible] اور کسی کا کوئی [illegible] [illegible] بدی کا [illegible] لیکن جیسے [illegible] نیکی اور بدی کا درجہ ہوتا ہے [illegible] [illegible] بھی [illegible] ہے یہ تفصیل یا اصول ہوگی [illegible] اور [illegible] کے [illegible] [illegible] [illegible] اس کی ضرورت ہے کہ [illegible] نیکی اور [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible] جو تعریف نیکی اور [illegible] بدی کی ہے اس میں [illegible] [illegible] بڑی چھوٹی نیکی اور بدی [illegible] کیا [illegible]

کہ بعض وقت بعض لوگ نیکی اور [illegible] کی اقل مقداروں کو خیال میں لا کر عمل سے رہ جاتے یا اور عمل کر دیتے ہیں جس سے سؤ دمیدی کو جتیم رحم پہنچا ہے ✦

اس خیال سے ایک ادنیٰ نیکی کا نہ کرنا کہ اس کا درجہ کم ہے اور ایک چھوٹی بدی کا کرنا کہ وہ ایک چھوٹا اور کم درجہ رکھتی ہے ایک سخت غلطی ہے۔ اگرچہ کوئی نیکی کسی چھوٹی مقدار یا کم افادہ کی کیوں نہ ہو مگر اس میں کیا شک اور شبہ ہے کہ اس سے افادہ ضرور ہوگا اور اس کی انتظام عالم میں ضرورت ہے۔ اگر ہم غور کو وسعت دینگے تو ثابت ہو جائیگا کہ عموماً نیکیوں کا سلسلہ چھوٹی مقادیر سے ہی شروع ہو کر بڑی مقدار تک جا پہنچتا ہے اور اکثر لوگ چھوٹی مقدار کو ہی ادا کر سکتے اور عمل میں لا سکتے ہیں اور مخلوق کے ایک بڑے حصہ کو انہیں کی زیادہ تر ضرورت ہے ✦

اگر اس خیال سے کہ ان [illegible] مقداروں کی ضرورت نہیں پہلو تہی کی جائے تو سخت غلطی ہوگی اور [illegible] طریق عمل [illegible] خدا کے فایدوں کو سخت نقصان پہنچایا [illegible] کا نیکی کی کیسی ہی چھوٹی مقدار ہو ہر حال [illegible] وہ اس قابل ہے کہ مخلوق [illegible] اس کو [illegible] یہ وہم اور خیال [illegible] کا شمار کیا ہوگا [illegible] والا [illegible] ہے جہاں [illegible] کا شمار [illegible] جاتا ہے وہاں [illegible] کا [illegible]

[illegible] کام کر [illegible] چھوٹے چھوٹے [illegible] لوگ [illegible] اس اعمال [illegible] صاف صاف معلوم اور ثابت ہو جائیگا کہ ہم [illegible] مقداروں کو بہت [illegible] لوگ حاصل کر سکتے ہیں ہزار روپیہ کسی غریب کو کوئی امیر اور مالدار ہی خیرات کر سکتا ہے لیکن ایک ایک روپیہ بہت لوگ دے سکتے ہیں اور [illegible] ہزار روپیہ کسی سے مانگنے والا شاذ و نادر کوئی ہوگا مگر ایک ایک پیسہ بہت ہی مانگتے ہیں ہزار روپیہ کے دینے سے ایک گھر کا کوئی سوالی [illegible] لیکن ایک پیسہ کے دینے سے کسی کو [illegible] ہوگی اگر یہ خیال کیا جاوے [illegible] ہزار روپیہ ہوگا تب تک ہم [illegible] خیرات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ [illegible] غلطی [illegible] ہوگا [illegible] ضرورت [illegible] اس شرط [illegible]

[illegible]

اگر کسی غریب اور محتاج کو ہزار آدمی ایک ایک پیسہ محنت سے دینگا تو کیا اسے پھر بھی کسی امیر کے دروازہ پر جانے کی ضرورت باقی رہ جائیگی ۔

قومی فنڈوں میں ہمیشہ اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ عام لوگ اُن میں شامل ہوں کیونکہ اس بات کو تجربہ سے مان لیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی رقموں اور عام اشخاص کے استعمال سے ایک مضبوط اور لازوال فنڈ قایم ہو سکتا ہے۔ دنیا وہ دولتمندی اور اقبال کا کوئی اعتبار نہیں مگر عام حالتوں کے لوگ اور دل اور دماغ ہمیشہ دُنیا میں کثرت سے موجود رہتے ہیں - ایک زور آور ہاتھ ایک بڑے بوجھ کو نہیں اُٹھا سکتا لیکن بہت سے کمزور ہاتھ ہزاروں من بوجھ آسانی سے اُٹھا اور لے جا سکتے ہیں ایک لمبی تلوار اس قدر کام نہیں دیتی جس قدر چھوٹی چھوٹی بہت تلواریں مختلف ہاتھوں میں کام دیتی ہیں ۔

ایک زود نویس ہاتھ اس قدر نہیں لکھ سکتا جس قدر بہت لکھنے والے دھیمے ہاتھ لکھ سکتے ہیں - ایک دولتمند کا دسترخوان اس قدر کام نہیں دیتا جس قدر دس متوسط درجہ یا غریبوں کے دسترخوانوں سے نکلتا ہے ۔

ایک بلند آواز شور نہیں کہی جا سکتی لیکن دس دھیمی آوازیں شور ثابت ہونگی وہ دریا جو ہمیشہ نہیں بہتا بہ نسبت اُس چھوٹے نالے کے جو وقت پر اور بہت زمینوں کو سیراب کرتا ہے کار آمد دینے والا نہیں ہے ایک ہاتھ چھوٹے سے رتن کو بھی جلدی سے پُر نہیں کر سکتا مگر دس ہاتھ ایک بڑے کوئیں کو پُر کر سکتے ہیں۔ بڑی حیثیتیں اُسی وقت ہوتی ہیں کہ جب چھوٹی حیثیتوں کا وجود ہوتا ہے جو چھوٹا نہیں وہ بڑا کب ہوگا ۔

ذرات سے ہی وجود بنا ہے اور انہیں سے ان ہی کی ابتدا ہوئی ہے - جو چھوٹی باتوں پر لحاظ نہیں کرتا وہ بڑے واقعات اور بڑی باتوں کو کھو دیتا اور برباد کر دیتا ہے - جو ابتدا پر نظر نہیں ڈالتا وہ انتہا کی خبر نہیں پا سکتا ۔

ایک حکیم کہتا ہے کہ جو شخص چھوٹی باتوں اور چھوٹی فروگذاشتوں پر نظر نہیں کرتا وہ بڑی حقیقتوں کو رائیگاں دیتا ہے ۔

جیسے نیکی کی نسبت غلط فہمی واقع ہو چکی ہے ایسی ہی بدی کی نسبت بھی مقدار کے اعتبار پر غلطیاں پائی جاتی ہیں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چھوٹی اور کم مقدار کی بدی

کیا حقیقت اور کیا بُرائی رکھتی ہے۔ اسی غلط فہمی سے دُنیا اور انسانی گروہوں میں بدیوں اور بُرائیوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے یہی کم فہمی ہے جسنے دُنیا کی چاردیواری میں مختلف بدیوں اور بُرائیوں کا وجود پیدا کیا ہے یہی خیال ہے کہ جس نے اخلاقی قوانین کا زور سے مقابلہ کیا ہے جب انسان کے دل میں یہ انوکھا خیال جاگزین اور متمکن ہو جاتا ہے کہ چھوٹی بدی یا کم مقدار کی بُرائی کیا اثر پیدا کر سکتی ہے تو اُس وقت اُس کی عادت میں ایک ایسی جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ رفتہ رفتہ بڑی بڑی بدیوں اور بُرائیوں کو بھی چھوٹی مقداروں میں داخل کرتا ہے اور اُس کی نگاہوں میں بڑی بڑی بدیاں بھی معمولی مقدار ہی رکھتی ہیں یہاں تک کہ اُس کی نگاہوں میں سنگین جرائم بھی معمولی جرموں میں گنے جاتے ہیں۔ جو پیسہ ابتدا میں چھوٹی چھوٹی چوریاں محض ایک دل لگی کے طور پر شروع کرتا ہے اور پھر اپنے دل سے قسمیہ اقرار کرتا ہے کہ پھر اِس کا ارتکاب نہیں ہوگا۔ لیکن چھوٹی مقدار اس دوسری دفعہ بھی ارتکاب پر آمادہ کر ہی دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر ایک پکا اور نامی چور ہو جاتا ہے پہلی خورد ہمیشہ ہنسی کے طور پر عمل کرتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہی اوباشی عادت طبیعت میں ایسی جم جاتی ہے کہ پھر اُسے ترک کرنا ایسی ہی مصیبت لاتا ہے جیسے ایک افیونی پر افیون کا ایک پرانی عادت کو ترک کرنا آفت برپا کر دیتا ہے۔ جب انسان چھوٹی بدیوں کا مرتکب ہوتا ہے تو گویا رفتہ رفتہ اُس کی طبیعت اور دل اس امر پر آمادہ اور مستعد ہو جاتا ہے کہ ہر ایک بدی اگرچہ کسی مقدار کی ہو کوئی بڑا اور عظیم اثر نہیں رکھ سکتی ہے۔ جو شخص ایک پیسہ کی چوری سے ہزاروں روپیہ کی چوری تک کا مرتکب ہوتا ہے وہ دونوں کو معمولی سمجھتا ہے۔ اگر ہم چوروں اور جعلی چوروں یا دوسرے جرائم پیشوں کی ہسٹریوں کو دیکھیں گے تو ہم کو ثابت ہو جائیگا کہ اُن کی ابتدا بہت ہی سادہ واقعات کو شامل تھی۔ رفتہ رفتہ اُنکے حوصلوں اور بُری ہمتوں میں ترقی پیدا ہوتی گئی۔ اگر وہ لوگ بدی اور شروع میں ہی اُن کم مقدار بدیوں کو بھی ایک بڑی مقدار اور عظیم الاثر خیال کرتے تو یقیناً اُن کو ایک نامی بدمعاش یا مشہور بدطینت نہ کہلانا پڑتا۔

جب انسان شراب نوشی وغیرہ شروع کرتا ہے تو اُس کی ابتدا تفریح کے نام سے

سے ہوتی ہے۔ سنتے ہیں اور ایسے آفت زدہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یوں ہی تفریحاً ابتدا ہوئی تھی مگر اب تو گلے سے آفت نہیں اترتی۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ آغاز ایسے امور کا صرف تفریحاً ہوا تھا مگر اب تو واقعی گلے پڑا ہوا ڈھول بجانا ہی پڑتا ہے۔ اگر مختلف ارتکابات اور گناہوں یا بُرے اخلاق کی چھان بین کی جائے تو ضرور کھل جائے گا کہ تفریحی اور چند روزہ مشاغل اخیر پر مرض مہلک کی طرح مؤثر ہوتے اور متاسف و [illegible] دیتے ہیں ۔

اگر انسان [illegible] اور [illegible] میں ہی حقیقت الامر کو غور اور دور اندیشی کی نگاہ سے دیکھے اور تاڑ لیا کرے تو آہستہ آہستہ [illegible] روزہ زندگی کو اس قدر [illegible] میں [illegible] پڑے۔ اگر [illegible] اصول [illegible] یا ایسا محقق آگاہی اور عمر [illegible] ہو تو [illegible] لوگوں کی سوانح عمریاں دیکھو اور ان کو غور اور [illegible] اُن [illegible] ابھرا ہے [illegible] ایک خوفناک اور [illegible] حال [illegible] ہو گئے کہ [illegible] گناہ کا کس درجہ [illegible] اور [illegible] قول [illegible] کس [illegible] وہاں [illegible] اور [illegible] چہرے اور [illegible] حال [illegible] دکھاتی ہے۔ اگرچہ [illegible] ایام میں [illegible] کا [illegible] نہایت ہی خوشگوار اور خوب [illegible] معلوم ہوتی ہے۔ اور انسان [illegible] وقت اور [illegible] ہی [illegible] لیکن [illegible] خیال اور [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] انسان [illegible] وقت [illegible] خواب اور رویا دیکھتا ہے۔ [illegible] خواب اور [illegible] اُن کو یہ دھوکا ہوتا ہے [illegible] پائدار اور مستقل سماں دیکھ رہا ہے نہیں ہوتی یہ تو اُن کی [illegible] اور کھول [illegible] اسے چند ہی روز کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا تھا وہ ایک خواب تھا اور جو کچھ سُنا گیا وہ ایک طلسم تھا جو لذتیں تھیں وہ محض سراب تھیں اور جو خوشیاں تھیں اُن کا انجام غم و الم تھا اور [illegible] تھا وہ ایک دھوکا تھا عجیب

آنکھیں کھول کر دیکھا تو چاروں طرف سنسان ویرانہ تھا۔ ان حقیقتوں کے سننے کا لطف اُس وقت آئے گا۔ سب یہ مرثیہ جو آدمیت نوگان یہی اپنی زبان حال سے سنائیں گے ۔

اُس دردناک آپ بیتی کے سننے کا کیا ہی لطف دینے والا مزہ ہے جو دکھیا اور گنہگار اپنی زبان سے ہی سناتا ہے۔ ایک ایسے ماتم کرنے والوں کو کہنا ہے ۔ تو کچھ غریب آسمان کا قصور ہے۔ اُس کی گردشوں میں فتور ہے زمیں ستاتی اور نہ آسمان دُکھ دیتا ہے میرا کرم اور میرا [illegible] ادھر اپنے کام میں مصروف ہے جو ملتا اور مصیبت جان پر آئی ہے وہ اپنی ہی [illegible] کا [illegible] جو کچھ سوچا اور سمجھا تھا وہ صحیح اور درست۔ [illegible] سمجھا تھا وہ اخیر پر ورغلایت ہوا [illegible] گنہگاروں کو [illegible] سب غور سے [illegible] قصہ اپنا ہی کیا ۔

[illegible] تب جب بیہوشی طاری ہوئی تو اُس وقت آنکھ کھلی [illegible] اس وقت آنکھوں [illegible] دیکھا اور [illegible] کیا اور روح کو [illegible] کرتا [illegible] آگے تمام جو ستان اور ساری دنیا کی [illegible] صحیح ہیں [illegible] سے [illegible] زردی ہے [illegible] اور [illegible] رقسمت [illegible] پیدا [illegible] دنیا [illegible] بھی ہم [illegible] ہوں اور [illegible] لوگ [illegible] اولاد [illegible] جاتا کہ اس دُنیا کی چاردیواری میں رہ کر کچھ بھی [illegible] جاتا ۔

کیا یہ افسوسناک اور مایوسی کے کلمات [illegible] کام نہیں کر سکتے۔ کیا ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان دل [illegible] سے کیا حاصل کیا ۔

جو سوچنے والے دل اور دماغ ہیں وہ ضرور ان کلمات سے [illegible] کو پائینگے۔ بہر حال ہمارا اصول ہونا چاہیئے کہ ہم ہمیشہ کم مقدار کی بدیوں سے پوری

مقدرت کے ساتھ نہیں۔ اگر اس کم مقدار اور کم درجہ کی بُرائیوں سے ہم نے اجتناب کامل حاصل کر لیا تو پھر ہم کو آگے بڑھنے کا بھی شوق رہیگا۔ ہر ایک سمجھ دار انسان کو ابتدائی مادوں سے ہی محفوظ رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ایک گھر کے جلانے کے واسطے آگ کی بڑی مقدار کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ایک چنگاری یا ایک تیلی ہی کافی ہے اگر ایک تیلی یا ایک چنگاری سے انسان محفوظ رہنے کوشش کرے تو ایک بڑی مقدار اور شعلے سے بھی محفوظ رہیگا۔ لیکن جو کم سمجھ ایک چنگاری اور ایک تیلی کی پروا نہیں کرتا وہ دراصل ایک بڑی مقدار اور ایک شعلہ کی خواہش رکھتا ہے۔

نیکی اور بدی کا مشروط ہونا

لوگوں نے نیکی اور بدی کو مشروط بھی کر رکھا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ بعض وقت ایک نیکی اس واسطے نہیں کی جاتی کہ شرط موجود نہیں اور ایک بدی اس لحاظ سے کی جاتی ہے کہ شرط موجود ہے یہ اصول اخلاقی قوانین کے خلاف ہے۔ اخلاقی قوانین میں نیکی اور بدی کے واسطے وقت اور ایک محل ضرور قرار دیا گیا ہے۔ مگر اُس کو محل کے اعتبار سے مشروط نہیں کیا گیا۔

ہاں محل کا افضل اور اسفل ہونا یا رکھنا ایک دوسرا امر ہے یعنی اگر ایک نیکی اور بدی کے واسطے دو محل موجود ہوں تو اُس وقت اعلیٰ محل کو ہی ضرور پسند کیا جائیگا مگر یہ نہیں کہ بلا خیال حقیقت اور کمی کے کسی نیکی یا بدی کو مشروط کیا جاوے بعض لوگ سخاوت ضرور کرتے ہیں مگر اس شرط سے کہ اپنے ہی فرقہ والوں کو دی جائیگی اگر یہ خیال اس جہت سے ہو کہ ایسوں ہی کا سب سے فائق حق ہے تب تو وہ درست ہوگا اگر اس میں یہ پیچ لگادی جائے گی کہ سوا اُن کے اور لوگ دادو دہش کے حقدار نہیں ہیں تو یہ ایک تنگ نظری کی علامت ہے۔

بیشک اوّل خویش بعد درویش مگر یہ اس خیال سے کہ درویشوں کا کوئی حق ہی نہیں۔ ایک ہندو بلاشک ہندوؤں کو دے لیکن اگر اُس کے ساتھ یہ شرط بھی اضافہ کردے کہ مسلمانوں یا عیسائیوں اور یہودیوں کو دینا ہی جائز نہیں تو یہ اُس کی

بیچ بھی اور غلط کاری پر دال ہے یعنی جو اللہ اگر ایک مسلمان یا عیسائی اور یہودی ہندوؤں کی نسبت ایسا تنگ خیال رکھے تو اُس کی کمی حماقت اور جہالت ہے نیکی اور بدی نے اپنے وجود کو کسی شہر اور کسی قوم سے مخصوص اور مقید نہیں کیا ہے اُس کے واسطے ہر ایک میدان دوڑنے کے قابل ہے وہ ہر ایک سطح میں ... جولانیاں کر سکتی ہے جو شخص نیکی یا بدی کو اپنے تنگ خیالات کی وجہ سے محدود کرتا ہے وہ نیکی یا بدی کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس کو نیکی اور بدی کے مفہوم سے اصلاً آگاہی اور خبر نہیں اگر وہ اُس کے مفہوم سے واقف ہوتا تو کسی صورت میں کبھی ایسی ... ضد کرتا ۔

نیکی اور بدی کا مذہب ایک ہی ہے اُن میں دوئی کی گنجائش نہیں جو نیکی ایک مذہب کے واسطے نیکی ہے وہ ہی ایک دوسرے مذہب اور فرقہ کے لئے نیکی ہے جس بدی سے ایک مسلمان یا عیسائی کا نقصان ہو سکتا ہے وہ ہی ایک ہندو کو بھی رنج پہنچا سکتی ہے اگر ہندوستان کی سرزمین میں نیکی کا ثواب اور بدی کا بدلا دیا جاویگا تو یورپ اور عرب کی سرزمین کو بھی ضروری ... کا اُمیدوار رہنا چاہئے ۔

نیکی اور بدی کا اظہار اور نتیجہ صرف ایک ہی طرف سے مخصوص کر لینا نیکی کی ذلت کرنا اور بدی کو وسعت دینا ہے نیکی کا معاوضہ یا ثواب اور بدی کا بدلا یا عذاب ایک ایسی طاقت کے متعلق ہے جو اپنے قوانین کی پوری پابند ہے یعنی عین حکمت سے فیصلہ دیتی ہے اس سے اگر کہ اخلاقی قوانین اور منتظم بادشاہوں کی جانب سے بھی نیکی اور بدی کا عوض دیا جاتا ہے اور خود انسان کا دل بھی اُس سے مطالبہ اور بازپرس کرتا اور خوشخبری دیتا ہے ۔

پس جب کہ نیکی اور بدی کا عوض یا بدلہ دیا جاویگا اور اُن کا حساب کتاب ہوتا ہے تو پھر اس بات کا کیا خدشہ اور کیا شک ہے کہ اگر فلان سے نیکی کی جاوے گی تو اُس کا اجر ملے گا اور فلاں سے کی جاوے گی تو نہیں ملے گا۔ اگر فلاں سے بدی کا عمل کیا جاویگا تو اُس کی سزا کا خوف ہے اگر فلاں سے بدی کریں گے تو بجائے سزا اور سرزنش کے خوشنودی کی اُمید ہے جب ہر ایک حالت میں سزا اور جزا کی اُمید

کامل ہے تو پھر نیکی یا بدی کو مشروط کرنا سخت غلطی ہے ۔

جیسے نیکی صاف اور بدی ناصاف ہے ایسے ہی انسان کا دل نیکی کے وقت بالکل صاف اور وسیع اور صاف ہونا چاہیئے اور آب باراں کی طرح ہر ایک موقع پر برسنا لازم سمجھے۔ دیکھو آب باراں کو کبھی صاف ستھری جگہ پر یا کثیف جگہ کے مقابلے میں برسنے سے دریغ نہیں ہوتا اور بدی کے وقت ہمیشہ دل کو تنگ اور قاصر رکھنا چاہیئے حتی الامکان ہر ایک موافق اور غیر موافق موقع سے اجتناب کیا جائے

جیسے ایک موافق شخص کو نیکی کی سودمندی اور بدی کی مضرت مضر کرتی ہے ایسے ہی ایک غیر موافق سے ان دونوں حالتوں کا عمل ہے۔ مانتے کہ ایک جانب سے نیکی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور دوسری جانب سے بدی پر صبر ہوتا ہے ایک کھوٹا خیال ہے اور اس خیال سے کسی صورت میں نیکی اور بدی کو محدود اور مشروط نہیں کیا جا سکتا ہے ۔

نیکی اور بدی میں وقفہ

جب انسان ایک امر کو کرنا یا ۔ کرنا چاہتا ہے تو اُس کو پیش آمدہ لواحقات یا اسباب کی وجہ سے وقفہ اور دیر بھی کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات دیر اور وقفہ کی بجائے جلدی عمل میں لائی جاتی ہے یہ دونوں عمل ہر وقت انسان کے گلوگیر اور حائل رہتے ہیں۔ مختلف اسباب اور وسائل کا انسان کو گھیرے رکھنا ایک لازمی امر ہے خصوصی اضطراری حالتوں میں تو ان کا ہونا بہت ہی عام اور ضروری ہوتا ہے۔ اگرچہ اُس وقت انسان انسانیت سے تو باہر نہیں ہوتا مگر ، بدست الرائے ضرور ہو جاتا ہے۔ ایسے وقتوں میں انسان نیکی سے ہٹ کر خاموشی کو سیاست سمجھتا ہے اور بدی کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے اور جب وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر بجائے خوشی کے حسرت اور ناخوشی ہوتی ہے ۔

حکیموں نے کہا ہے کہ نیکی کرنے میں مطلقاً وقفہ اور دیری کو روا رکھا جائے بدی کی صورت میں جہاں تک ہو سکے دیر اور وقفہ کیا جائے کیونکہ نیکی کی حالت میں اگر

جلدی ہوگی تو اُس کا کچھ نقص اور مضرت ظاہر نہیں ہوگی۔ لیکن بدی اور برائی کا انشاء جلدی سے فیر ہو گیا تو پھر معاملہ ہمیشہ کے واسطے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور وہ ندامت ہوگی جس کا علاج اپنے ہاتھ نہیں رہے گا ؛

اگر نیکی کبھی غیر محل پر بھی کی جاوے تو اُسکو ہم واپس بھی لے سکتے ہیں لیکن اگر بدی جلدی سے کی جاوے تو وہ کسی صورت میں بھی باوجود ندامت اور کوشش کے واپس نہیں ہو سکتی

بدی ایک گولی چلانا ہے جو اگر لگ گئی تو دوسرے کو چیت کر کے رہ گئی اور اگر نہ لگی تو چلانے والا اوروں کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لئے ایک بدچلن اور بدنام مشہور ہو جائیگا ہم ایک نیکی کا تو معاوضہ کمی اور بیشی میں کر بھی سکتے ہیں مگر بدی کی صورت میں کوئی معاوضہ اور ادل بدل نہیں ہو سکتا اگر ایک شخص کو ایک روپیہ دیا جاوے تو اُس کو اور دس بھی دیے جا سکتے ہیں لیکن اگر ایک غریب کو گالی دی جائے تو گو اُس کو بعد میں سو روپیہ بھی کیوں نہ دیا جائے اور اُس کو راضی بھی کر لیا جائے مگر وہ ہمیشہ تاثیر مضرت جو گالی سے پیدا ہو کر عالم میں منتشر ہوتی ہے کبھی زایل اور دور نہ ہوگی۔ اس کے نقص سے ضرور بہی بداخلاقی کی وبا پھیلے گی۔ اگرچہ ہم بدی کرنے کے بعد کیسا ہی تریاق کام میں کیوں نہ لائیں مگر اُس ہمیت کے آثار کبھی زایل نہوں گے ؛

فلاسفروں نے کہا ہے کہ نیکی ایک خوشبو ہے اور بدی ایک سڑن ہے۔ نیکی عمل کے بعد مہک پیدا کرتی ہے اور بدی ایک سڑن اور تعفن ؛

وہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ جو بدی کرنے میں تھوڑا سا تامل بھی نہیں کرتے اگر وہ تھوڑا سا تامل کیا کریں تو انہیں اُن کا دل ہی جتا دیگا کہ یہ عمل اور یہ کرتوت درست نہیں ہے اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ نیکی اور بدی کے وقفے یا جلدبازی پر غور کر لینا لازمی اور لابدی ہے مگر دانا دل اور مدبروں نے اس امر کو بھی ظاہر کر دیا ہے کہ بعض اوقات نیکی کرنے میں بھی وقفہ کی ضرورت پڑتی ہے اور علی ہذا القیاس بدی کے عمل میں جلدی کو بھی کام میں لانا پڑتا ہے اگرچہ اِس امر کو زور اور دلایل سے مان لیا گیا ہے کہ بہر صورت اور بہر حالت نیکی میں جلدی اور بدی میں تاخیر اور دیر کرنا چاہیئے۔ مگر جن لوگوں نے ضرورت یا نظام عالم کو غور کی نگاہوں سے مطالعہ کیا ہے۔ اُنھوں نے یہ رائے بھی ضرورتاً ظاہر کر دی ہے

کہ اکثر مواقع ایسے پیش آجاتے ہیں کہ جن میں نیکی میں بھی بعض ضروریات کے سبب توقف کرنا ہوگا۔ کیونکہ اگر بر طبق اسی اصول عام کے اُس حالت میں مناسب وقفہ کیا جاوے تو وہ نیکی ایک دوسرے شخص کے حق میں ایک بدی کا اثر پیدا کرے گی۔ ایک طالبعلم یا چھوٹے بچے کو آزادی دینا ایک نیکی ہے لیکن اگر اسمیں وقفہ نہ کیا جاوے تو وہ ہی نیک عمل اُس کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوگا۔ ایک دیوانہ یا مخبوط الحواس آدمی یا ایک سادہ لوح حکمران کو اُس کا ایثار دیدیا ملک اور حکومت تفویض کی جاسکتی ہے لیکن اس تفویض سے بجائے نیکی کے سینکڑوں مضار اور نقص ثابت ہو کر اس کے حق میں معیوب اور زہر قاتل ثابت ہونگے +

بدی میں ضرور اور ہمیشہ دیر یا وقفہ کرنا نہایت ہی زیبا اور مناسب ہے مگر بعض ضروری صورتوں میں بجائے ایک دیر اور وقفہ کے جلد باری کرنی پڑے گی اگر جلدی نہ کی جاوے تو اور بھی بد اثر ظاہر ہونگے ایک خشک شدہ ہاتھ یا سبز شاخ کا جو خشک ہوتی جاتی ہو کاٹنا ایک بیرحمی اور سنگدلی ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ردی مادہ دوسرے اعضا اور جسم کو بھی خشک کر دیگا تو پھر اسی میں مصلحت ہے کہ فوراً موجودہ مادہ کو دُور کیا جائے +

طمع اور حرص نفسانی سے ایک گورنمنٹ کا دوسرے ملکوں پر چڑھائی اور یورش کر کے لاکھوں ہزاروں بندگان خدا کی جانوں کو معرض اتلاف اور ہلاکت میں ڈالنا ایک سخت بُرائی ہے مگر جب وہ لوگ امن اور آسائش میں خلل انداز ہوں یا اُس ملک میں لوگوں پر مظالم اور مفاسد ہوتے ہوں تو پھر ایسے کشت و خون کو جاری نہ رکھنا سو بدیوں کی ایک بدی ہے۔ ایسے وقت میں یہ لازم اور واجب ہے کہ اس خون و خرابہ کو ہی جاری رکھ کر گھر کے مظالم اور مفاسد سے مخلوق الٰہی کو رہائی دلائی جاوے۔ بہت سی بدیاں اور بُرائیاں اس قسم کی ہیں کہ اُنکا وجود بالمقابل اور بدیوں اور برائیوں کے مقابلہ "کمیت" اور مضرت میں کم درجہ کا ہے یہ ممکن ہے کہ ایک کم درجہ کی بدی سے جو ہم کو اسی نظام عالم کی ضرورتوں کے سبب کرنی پڑے گی۔ ہم ایک بڑی اور عظیم الاثر برائی خواہ بدی سے محفوظ رہیں۔ جن لوگوں نے نظام

عالم کی ضروریات اور سوانح پر نظر اور غور کی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ ضرورت اور وقت کے لحاظ سے بعض وقت بدی بدی نہیں رہتی بلکہ اُس کی کایا پلٹ ایک نیکی اور سود مندی میں ہو جاتی ہے اگر اُس وقت اُس ضرورت پر لحاظ نہ کیا جاوے تو اُس بدی کے عوض اَور صدہا بُرائیاں اور بدیاں نشوونما پاکر سمیت پھیلاتی ہیں +

نیکی اَور بدی کا وقت

دُنیا میں کوئی ایسا ارادہ کوئی ایسا کام نہیں کہ موقت نہ ہو ہر ایک ارادہ اور ہر ایک کام کے واسطے کوئی نہ کوئی وقت ہے صحت اور درستی امور کی اسی حالت میں محفوظ رہتی ہے کہ جب اُن اوقات کی پابندی اور حفاظت کی جاتی ہے جو لوگ اوقات کی پرواہ نہیں کرتے وہ نتائج امور اور صحت اعمال میں خود ہی کمی اور فرق لاتے ہیں کوئی کام اور کوئی ارادہ خواہ نیک ہو خواہ بد اسی حالت میں صحت اور درستی سے عمل میں آ سکتا ہے کہ جب وقت کو ملحوظ رکھا جائے نیکی اور بدی کا بھی ایک وقت ہے کوئی نیکی ہر حالت میں محسوب اور مستحسن نہ ہوگی جہاں اُس کی ضرورت اشد ہوتی ہے بلکہ اُس کے واسطے بھی ایک وقت کی ضرورت ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایسے وقت میں اس کا کرنا بہتر ہے نیکی کرنا +

سخاوت کرنا اور کسی کو مدد دینا بہت ہی محمود اور مناسب ہے مگر تو صرف اپنے اوپر تکلیف اُٹھا کر ایسا کرنا وقت کے خلاف ہے نیکی صرف اسی واسطے کی جاتی ہے کہ ایک سود مندی کی صورت پیدا ہو کر آسانی ہو اگر ایک سود مندی سے دوسری مضرت پیدا ہوتی ہے تو یہ ایک خلاف منشا مبادلہ ہے

ایک رعایا کو خاص اختیارات کا حکومت کی جانب سے عطا کیا جانا ایک نیکی اور انصاف ہے لیکن اگر وہ رعایا ابھی اس قابل نہیں ہوئی۔ تو ایسا عمل درآمد کرنا اُسکے حق میں مضر اور مہلک ثابت ہوگا۔ کیونکہ ناتجربہ کاری اور خواص طبائع کے سبب سے وہی اختیارات اُن کی باہمی عداوت اور بغض کا باعث ہو کر مسابقت اور مجادلہ کا باعث ہو جاتے تاریخیں ہمیں بتاتی ہیں کہ جب کبھی ایسا کیا گیا تو اُسی قسم کے واقعات وقوع میں آئے

بدی بلا تغیر دیر سے کی جاتی ہے۔ اور عمدہ اصول یہی ہے کہ حتی الامکان دیر اور تاخیر کی جاتی ہے۔ مگر بعض وقتوں میں لازمی ہو جاتا ہے کہ بدی کا عمل فوراً کیا جاوے جیسا کہ ... بعض اوقات بدی کو کسی اور وقت پر چھوڑنا پڑتا ہے۔ گو ایک سزا کا دینا ضروری ہے اور ایک شخص اسی لائق ہے کہ اُس کے ساتھ ضرورتاً بدی کی جاوے مگر وقت اجازت نہیں دیتا کہ ایسا کیا جاسکے۔ کیونکہ اس صورت میں اور بکھیڑوں کے اُٹھنے کا اندیشہ خاطر رہتا ہے۔ جہاں ایسی نیکی اور بدی کی شناخت ضروری ہے وہاں اوقات شناسی بھی ضروری ہے اس سے ایک بڑا فائدہ اور سود ہوگا کہ ہمیں بعض نکتہ چیدوں کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ اور ہم وقت شناسی سے بعض درست یا غلط خیالات میں تمیز کر سکیں گے ۔

ہم جو بعض وقت یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ ہم سے فلاں نیکی نہیں کی گئی یا فلاں بدی کیوں کی گئی۔ تو اس کا سبب یہی ہوا کرتا ہے کہ ہم نے وقت پر غور نہیں کی ۔

نیکی اور بدی کی ضرورت

نظام عالم کو ہر ایک شئے اور ہر ایک امر کی ضرورت ہے اگر شیریں پانی کی ضرورت ہے تو کڑوا بھی مانگا جائیگا۔ اگر سرد ہوا کی ضرورت ہے تو گرم کی بھی سخت حاجت پڑیگی اگر نیکی کا وجود محبوب ہے تو بدی کو بھی کسی وقت پیار کیا جاویگا قطع نظر ان ضروریات کے اچھی شئے کی قدر اور مانگ بھی اُس وقت ہوتی ہے کہ جب مقابلہ میں بُری حالت موجود ہو۔ اگر بدصورت لوگ نہ ہوں تو خوبصورت اور حسین کی کون قدر کرے۔ اگر یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں بدصورت نہ ہوتے تو یوسف علیہ السلام کی بازار میں خرید و فروخت کی کیا قدر ہوتی۔ ان بدصورت اور بھدی شکل والوں سے ہی تو یوسف علیہ السلام کو آج تک مہ رشک زمانہ بنا رکھا ہے۔ انصاف اور عدالت کی اُس حالت میں قدر اور پرستش ہوتی ہے کہ جب زمانہ کی چار دیواری میں بے انصافی اور ظلم کے آثار بھی پائے جاتے ہوں ۔

کون کہتا ہے کہ ہم کو بدی کی ضرورت نہیں یا اس نظام عالم میں برائیوں و بدیوں

سے کام نہیں نکلتا یا کس کا مدعا ہے کہ نیکی اچھی شے نہیں اس کی ضرورت اور مانگ نہیں
نہیں ان دونوں کی ضرورت ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ بدی کے نوشتوں میں سم قاتل کی
طرح بعینہ بدی ہی لکھی ہے مگر اس میں کیا کلام ہے کہ سم قاتل کی بھی نظام عالم میں ضرورت
ہے۔ سم قاتل بھی کسی وقت آب حیات کا کام دے جاتا ہے۔ نیکی کی ضرورتوں کو تو ایک
جاہل بھی جان سکتا ہے تشریح مزید کی ضرورت نہیں۔ دنیا کی اس چار دیواری میں
جس قدر گھر اسے بستے اور بود و باش رکھتے ہیں ان سب کی حالت یکساں نہیں ہے
اور ہر ایک دوسرے سے عاحاصل ہے۔ جیسے ایک زنجیر کی کنڈیاں آپس میں مل کر زنجیر
کا نام پیدا کرتی ہیں ایسے ہی اس سلسلہ عالم کا حال ہے۔ اگر ایک کنڈی نظام عالم کو
ہلا یا جاوے تو ساری زنجیر کو حرکت اور جنبش ہوگی۔ اسی وجہ سے ایک فرد عالم کو
دوسرے افراد کی اشد ضرورت ہے۔ اگر ایک فرد دوسرے افراد کی امداد اور معاونت
نہ کرے تو یہ کھیڑا یا چرخہ چلنے سے رہ جائے۔ اسی ضرورت کے لحاظ سے نیکی اور محبت
اور ہمدردی کو ضروری الوجود خیال کیا گیا ہے۔ نیکی کیوں کی جاتی ہے صرف اس واسطے
کہ یہ نظام عالم ایک اعتدال اور خط مستقیم پر قائم رہے۔ بہت سی ایسی باتیں اور ایسی
ضروریات ہیں کہ جن کو بعض افراد ہی پورا کر سکتے ہیں۔ اگر ان کی جانب سے دوسرے
کم درجہ کے افراد کی معاونت نہ ہو تو ان کا کام کیوں کر چلے یہ بڑی ضرورت ہے
کہ جو ایک نیکی کے وجود کو آفتاب کی طرح ثابت کرتی ہے اور جس سے ماننا پڑتا ہے
کہ ایک دوسرے کی معاونت کے سوا کام نہیں چلتا۔ نیکی کی طرح بعض بعض صورتوں
میں بدی کی بھی سخت ضرورت پڑتی ہے گو اس وقت ہم بدی کو اور الفاظ میں تعبیر
یا تاویل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ نفس الامر میں ایک
بدی ہی ہوتی ہے +

دنیا میں امن اور نیکی کے لحاظ سے کوئی ایسا آلہ نہیں ہونا چاہیے کہ جو لوگوں
کے اعناق اور سروں کو قلم کرے لیکن مجرموں اور باغیوں اور بد امنیتوں کی تادیب
اور ادب کے لیے ایسے اوزاروں اور اسلحہ کی سخت ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ
اکال مادوں اور سموم کی اس دنیا میں نیکی کے اعتبار سے کوئی ضرورت نہیں مگر جب

مواد ردیہ اور تعفنہ کے دور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اُس وقت یہی اکال مادے اور سموم ہالکہ تریاق اور اکسیر کا کام دیتے ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں کہ لوگوں اور انسانوں کو ایک جیل اور قید خانے میں بند کیا جائے مگر تادیب اور تنبیہ کا قانون مجبور کرتا ہے کہ ایسے ہوس اور چار دیواریاں ضرور ہی بنائی جائیں۔ انسان کا نفس بدی کے وقت ایک دیوانے کتے کی خاصیت رکھتا ہے۔ جیسے ایک دیوانہ کتے کے واسطے سخت تادیب اور مار کی ضرورت ہے ایسے ہی انسان کے واسطے سخت باز پرس اور خوفناک قوانین اور وعیدوں کی ضرورت ثابت ہے سارنگی اُسوقت خوش آیند آواز نکالتی ہے کہ جب اُس کے کان مروڑے جائیں۔ یہی حال حضرت انسان اور دیگر مخلوقات کا ہے۔ اگر درخت کی چھانٹ تراش نہ ہو تو وہ یقیناً ایسا بدصورت ہو جائیگا کہ اُسے کوئی دیکھ بھی نہ سکے گا اور نہ اُسے کوئی پسند کر سکے گا اور نہ اس سے کوئی فایدہ ہو گا۔ ایسے اوقات اور ایسی صورتوں میں بدی ایک صحیح تادیب کا اثر اور درجہ رکھتی ہے اور ایسے ہی اوقات میں نظام عالم کو اُس کی اشد ضرورت پڑتی ہے ؛

ایسی بدیاں اور تادیبات اخلاقی قوانین کے اعتبار سے نظام عالم کی برجستہ اور محکم بنیادیں ہیں۔ اگرچہ ایک بدی بدی ہے مگر جب اُس کی ضرورت ہے اور وہ ایک مفید حالت میں عمل میں لائی جاتی ہے تو وہ بدی نہیں بلکہ ایک ایسی نیکی ہے کہ جو بدی کے عالم اور صورت میں بہبودی اور نیکی کا سماں دکھائے گی ؛

نیکی اور بدی کا بالمقابل

بعض وقت نیکی اور بدی بدل اور مقابلے کے طور پر کیجاتی ہے جس طرف سے نیکی ہوتی ہے اُسی طرف نیکی کا بدلہ دیا جاتا ہے اور جدھر سے بدی کا عمل ہوتا ہے اُس کے مقابلہ میں بھی بدی کی جاتی ہے۔ اگرچہ نیکی اور بدی مبادلہ اور مقابلہ میں اپنی حیثیت اور حالت کو تبدیل نہیں کرتی وہی نیکی اور وہی بدی رہتی ہے مگر تبادلہ اور تقابل میں نہ تو نیکی کا وزن اور مقدار وہ رہتا ہے اور نہ بدی کا جس شخص سے نیکی اور بدی میں پہل

کی ہے یہ تو ضرور ہے کہ اُس کے مقابلے میں دوسری جانب سے بھی اُس کا عوض دیا جائے لیکن اگر اس پہلے شخص نے اسی معاوضہ اور تبادلہ کی خاطر ایسا عمل کیا ہے تو اُس نے اپنے فعل یا عمل کو کسی قدر مسقوم سا لیا ہے ہاں اگر دوسرا شخص نیکی کا معاوضہ اور مبادلہ نہ کرے تو وہ بھی ردی حالت میں شمار ہوگا۔ اگرچہ ہمیں نیکی کے عوض اور بدلہ ایک یا بہت سی نیکیاں اور فائدے بخشے جائیں اور ہم بھی ایک نیکی کے عوض یا مبادلہ میں بیسیوں فیاضیوں اور نیکیاں کریں مگر اس اصول سے نیکی کرنا کہ اُس کا کچھ معاوضہ یا مبادلہ ہے ایک بزدلانہ عمل ہے۔ نیکی بہت عام سودمندی کے لحاظ سے ہونی چاہیئے۔ عام طور پر اس کا معاوضہ کچھ ملے یا نہیں جو نیکی بالمقابل یا بالتبادلہ کی جاتی ہے وہ ایک تجارت اور بیوپار ہے۔ یہ مانا جائیگا کہ وہ نیکی ہے مگر وہ [illegible] اور سود مند حالت اُس میں نہ رہے گی۔ بدی کے مقابلے میں بدی کرنا بالخصوص [illegible] اور حالات کے ایک سخت معیوب امر اور مکروہ فعل ہے جو شخص بدی کے مقابلہ میں بدی کرتا ہے وہ گویا دوسرے شخص کے ساتھ شامل ہو کر دنیا اور [illegible] انسانی میں اکمال اور متعفن مادوں کو بالاشتراک پھیلاتا ہے جو شخص گالی کے عوض میں گالی ہی دیتا ہے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ میں بھی اُس بدخلق اور کمینے کا بھائی اور شریک ہوں اور جس امر کو وہ ناپاک خیال کرتا ہے اُسی میں شرکت کرتا ہے ۔

کیا جو شخص چوری کے عوض میں چوری کریگا وہ خود بھی چور نہیں ہوگا یا مخلوق اُس کو بدمعاش نہیں کہے گی جو ایک شخص بدمعاشی کے مقابلہ میں دوسری بدمعاشی مبادلے کے طور پر کرتا ہے وہ خود بھی بدنام اور رسوا ہوگا ۔

یہ سوال کیا جائیگا کہ کیا بدی دیکھ کر خاموشی اختیار کی جائے اور ایک بدی کا جواب نہ دیا جائیگا اگر ایسا کیا جاویگا تو بدی کرنے والے ارتکاب سے کیونکر باز آئیں گے ۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ بدی کا جواب بدی میں ہمیشہ نہ دیا جائے کیونکہ اگر بدیوں کے جواب میں نیکیاں اور خاموشی اختیار کی جائے گی تو فی الواقع دنیا میں ایک اودھم اور نظام عالم کے انتظام میں ایک سخت ہلچل پڑ جائے گی ۔

مدعا یہ ہے کہ ہمیشہ ہم کو یہ اصول نہیں مدنظر رکھنا چاہیئے کہ بدی کے مقابلہ میں

بدی ہی کی جائے گی۔ اگر بدی کے معاوضہ کے سوا کام نکل سکتا ہے تو کم بخت بدی
کرنے والے کے واسطے ندامت اور خجالت ہی ایک کافی سزا ہے اور اگر اس پر بھی وہ اپنے
اعمال بد اور زبونی کردار سے رکتا نہیں تو اس صورت میں مناسب تادیب مناسب ہے
جو لوگ اخلاقی قانون میں اس امر پر زور دیتے ہیں کہ ہمیشہ بدی کے مقابلہ میں خاموشی
اور نیکی ہی کرنا چاہیئے وہ کسی اور دنیا میں بستے ہیں کہ ان کی لالچ اور اعلیٰ درجہ
برابر ہوتی ہے جس رنگ اور جس سماں میں وہ رہتے ہیں ان کے خیالات میں
اعلیٰ درجے کی بردباری اور صبر ہی قابل الزام ہونے کی ایک بیہودہ اور جلیبی تدبیر ہے
ایسے لوگ انتظام عالم میں بہت کم دخل دیتے ہیں ان کو پولیٹیکل اور سوشل حالات
اور کاروبار سے ملاقات و سروکار نہیں ہوتا وہ تو اپنی نگاہوں میں سب حالات اور سب
کیفیات کو عارضی اور ... سمجھتے ہیں اور وہ نیکی اور بدی کا معاوضہ شکر اور
صبر اور خاموشی کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ ان نازک اور مقدس اصول
سے کہیں دور رہتے ہیں انہیں ان مسائل سے کیا واسطہ اور کیا تعلق۔

اگرچہ اصولاً ان لوگوں کے ایسے خیالات قابل تحسین اور تعریف ہیں مگر ان پر
ساری دنیا اور سب مخلوق کا رسد کیونکر ہو سکتی ہے اور اگر ہو بھی تو اس دنیا کا دھندا
کیونکر چل سکتا ہے ہم جس محل اور جس سرزمین میں رہتے اور بود و باش رکھتے ہیں
ہمیں وہاں کے رسم و رواج سے ہی انس اور تعلق رکھنا زیبا اور مناسب ہے۔ ہمارا
تو یہ اصول ہونا چاہیئے کہ اگر نظام عالم کے سلسلے اور انتظامات میں خاموشی اور درگذر
سے ابتری نہیں آسکتی تو ہمیشہ بردباری اور درگذر ہی موزون اور مناسب ہے
اور اگر اس نازک سلسلہ میں فرق آنے کا اندیشہ ہو تو پھر عوض معاوضہ کلیہ مذکورہ پر
عمل کرنا چاہیئے مگر اس بات کا سخت خیال اور واقعی لحاظ رہے کہ خواہ مخواہ اس فقرے
پر عمل کرنا لازمی نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ بہت سی بدیاں اور برائیاں ایسی بھی ہونگی
کہ جو غلطی سے اور اتفاقاً ہو گئی ہیں اگر ایسے اغلاط کے معاوضہ میں بھی بدی ہی
کی جاوے گی تو پھر بڑی کڑی مشکلوں کا سامنا ہوگا۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ
ساری عمر میں ان سے اتفاقاً یا غلطی سے ایک ہی بدی سرزد ہوتی ہے اگر اس کا

معاوضہ یا بدلہ بھی بدی ہی سے کیا جائے تو پھر بھی سخت مشکلات عائد ہونگی گو ملکی قوانین میں پہلے جرم کے واسطے بھی سزا مقرر ہے مگر وہ صورت کچھ اور صورت ہے یہاں ملکی اور حکومتی قوانین یا قواعد سے بحث نہیں ہے یہاں مورل اور اخلاقی قوانین سے بحث ہے جو گویا برادری کے مسلمہ قوانین ہیں اور اگر دیکھا جاوے تو حکومتی قوانین نے بھی پہلے جرم کی صورت میں نرمی کے عمل کی ہدایت کی ہے۔ یہ کہا جائیگا کہ کیا ملکی یا حکومتی قوانین اخلاقی قوانین سے مغایر ہوتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں کوئی مغایرت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اُن حکومتی قوانین میں ایسی صورتوں کا استثنا نہ کیا جاوے تو پھر نظام عالم میں سخت ابتریاں اور خرابیاں پیدا ہونگی ملکی اور حکومتی قوانین کا یہی فرض ہے کہ اُن کی جانب سے سخت اور خوفناک وعیدیں ہوں تاکہ مخلوق اور رعایا کو بد امنی اور بدظمی پھیلانے کا کوئی موقع ہی نہ ملے۔ باوجود اس قدر سخت وعیدوں کے بھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں اور رعایا کی عقلیں اور خیالات درست نہیں رہتے اگر خدا نخواستہ حکومتوں کی جانب سے اس قدر نرمی برتی جاتی تو معلوم نہیں کہ ملک اور قوموں میں کیا کچھ آفتیں آتیں اخلاقی قوانین لوگوں کو ڈراتے نہیں اور نہ ڈرا کر اپنا اثر جمانا چاہتے ہیں بلکہ اُن کی روش اور چال بالکل سادہ اور سلیم ہوتی ہے۔ خلاف اس کے ملکی قوانین اپنے ہاتھوں میں گورنمنٹ یا حکومت کی طرف سے ڈنڈا بھی رکھتے ہیں۔ گویا اُن کا وجود اخلاقی گورنمنٹ کی جانب سے ایسا ہی ہے کہ جیسے سول لین کے مقابلے میں پولیس گو اخلاقی یا مورل گورنمنٹ کی جانب سے ہی ہمیشہ اس امن بخش ملکی قوانین اور حکومتی اصولوں کا وجود بخوبی ہوتا ہے مگر پھر بھی حکومتی اصولوں سے ہی دُنیا میں ایک عام امن اور لودمندی رہتی ہے اگر محض آزاد اصول ہی ہوں تو دنیا میں اس وقت جو امن کی صورتیں پائی جاتی ہیں ان کا وجود بھی دکھائی نہ دے ٭

اخلاقی گورنمنٹ کی قدرومنزلت اس صورت میں اور اُسی حالت میں ہے کہ جب اس کی مددگار یا ہاتھ بٹانے والی حکومتی گورنمنٹ بھی ہو۔ اخلاقی گورنمنٹ کے اصول اور ارشادات عالیہ کتابوں کی جلدوں اور دلوں کی گہری تہوں میں ہیں اور اُن

کا ظہور یا حدوث اور عمل بہت ہی رسمی اور دھیمے پن سے ہوتا ہے مگر حکومتی قوانین یا اخلاق کا سبق ظاہر میں دیا جاتا ہے اور ثابت کر دیا جاتا ہے کہ اس کی مخالفت کوئی اور ہی رنگ لائے گی ۔

نیکی اور بدی کا اپنی ذات پر اثر

جیسے ایک بات کے منع کرنے سے اس کی حقیقت کھل جاتی ہے ایسے ہی اپنی ذات پر نیکی اور بدی کا تجربہ کیا جاوے تو اس کی کیفیت بھی معلوم اور ثابت ہو سکتی ہے اگر انسان نیکی اور بدی کا اثر معلوم کرنا چاہے تو اسے لازم ہے کہ سب سے اول خیالی طور پر اپنی ذات پر اس کو وارد کر کے دیکھے اس ذاتی ارادے سے جو جواب ملیگا وہی اس کی حقیقت اور اثر ہوگا اس کے بعد وہ اپنی ہی طبیعت اور اپنے ہی دل سے سوال کر سکتا ہے کہ کیا وہ عمل درست ہے۔ اگر اپنی ذات کے واسطے وہ عمل ٹھیک اور درست ہے تو وہ دوسروں کے واسطے بھی موزوں ہوگا اور اگر ہم خود ہی اس کو درست اور مناسب نہیں سمجھتے تو دوسروں کے لئے کیوں موزوں سمجھا جاتا ہے۔ ایک بڑا قول اس مطلب کو کیا عمدگی سے ادا کرتا ہے "ہر چہ بر خود میسندی بر دیگراں ہم میسند"۔ اگر گالی اور برا کلمہ اپنے آپ کو برا لگتا ہے تو کیا وہ دوسرے کے نزدیک موزوں اور شیریں ہوگا؟ جو تلوار ہمیں کاٹتی اور دکھ دیتی ہے وہ دوسرے کو بھی ضرور کاٹے گی جس طرح [illegible] ہم خود [illegible] ڈرتے ہیں کیا یہ انصاف ہوگا کہ ہمیں خوفناک موجوں اور کٹھن گھڑیوں میں کسی دوسری جان کو دھکیل دیں؟

جس ہاتھ سے دیتے ہو اسی ہاتھ سے لو جس پیمانہ سے لیتے ہو اسی سے ادا بھی کرو۔ اگر تم کو نیکی اچھی لگتی ہے اور اس سے تم کو سود مند [illegible] محسوس ہوتا ہے تو اسی خیال سے اوروں کے ساتھ نیکی کرو ہاں اگر تمہیں خود ہی نیکی سے نفرت ہو تو دوسری بات ہے بدی کرتے وقت اگر انسان اپنے دل [illegible] سے دریافت اور تحقیق کر لیا کرے تو بہت وقت [illegible]

اصول سے زیادہ تر اور کوئی اصول برجستہ اور کارگر نہیں کہ انسان برائی اور بدی کے وقت اپنے دل سے سوال کیا کرے اور خیال اُسکو اپنے نفس پر وارد کرکے دیکھے اگرچہ انسان بدی کرکے اور کسی کو ایک آفت اور بلا میں گرفتار دیکھ کر بعض اوقات ملول اور بعض مطلق نہیں ہوتا لیکن یہ حال تو اُس وقت کا ہے کہ جب ذات غیر پر گزر ایا عمل ہوتا ہے۔ لیکن قوت ہے کہ جب ذات خاص پر درد اور حملہ ہو تو اُس وقت بھی وہی طریق عمل کرے کہ جو دوسرے کی اذیت اور تکلیف پر مرعی خاطر ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو تو اگر ایک تنکا بھی چبھے تو قیامت برپا کردی جاتی ہے اور دوسروں کی آنکھ میں شہتیر دیکھ کر بھی افسوس اور رنج نہیں کیا جاتا یہ ایک بیرحمی اور ناانصافی کا عمل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا عمدہ فرمایا ہے اُس آدمی پر واویلا ہے جو دوسرے کی آنکھ میں تنکا تو دیکھتا ہے پر اپنی آنکھ کے شہتیر پر نظر نہیں کرتا۔ کوشش کرو اور ایسا صاف دل بناؤ کہ نہیں دوسروں کی تکلیفوں اور آفتوں پر رحم کی نگاہیں کرنے کا موقع ملے۔ زندگی چار روزہ اور حباب سا ہے دم آیا نہ آیا مرنے کیواسطے کوئی بڑی تدبیر قدرت کو نہیں کرنی پڑتی اور نہ بہت سے انتظاموں کی ضرورت ہوتی ہے اُس وقت سے پہلے کہ جب اس قالب سے دم اور سانس نکلے بھلائی اور بدی کو سمجھ لو اور سود و بہبود اکر لو۔ ایسا نہ ہو کہ دھوکا اور انتظار میں ہی مسافر چل بسے اور اُس کیواسطے بازار کی دوکانیں بند کیجائیں۔ اُٹھو کیونکہ ابھی وقت ہے دوسری جگہ اور دوسرے سفر میں حساب ضرور لیا جاویگا۔ اور یہ سوال ہوگا کہ اس امتحان کی جگہ یا آزمائش گاہ میں کیا کچھ کرکے آئے ہو۔ رعایت سے پاس کردیں تو دوسری بات ہے مگر امتحان کے نمبر ضرور دئے جائینگے کیا فیل شدگان کو پاس شدگان کے روبرو بولنے کا حوصلہ اور موقع ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اے انسان کی نسل اور بچو دعا کرو کہ ہم اس جہان کے پیدا کرنیوالے سے شرمندہ نہ ہوں ہاں دعا کرو کہ خدا تعالےٰ کا رحم اور فضل ہمارے شامل حال ہو۔

نیکی اور بدی کی یاد

ایک نامور حکیم کہتا ہے "تو جو نیک کام کرے اُسے بھلا دے پر جو دوسرے کے ہاتھوں یا دل یا

خیال سے بدی سرزد ہو تو اُسے تمام عمر یاد رکھ اور اُس کی بابت علت العلل سے ہمیشہ مغفرت اور معافی مانگ۔ تو جو ایک بدی کر کے پھر دوسری بدی کرتا ہے کیا تجھے پہلی بدی اور پہلی لغزش یاد نہیں رہی کاش اس دُکھ کے مارے تو پہلے ہی مر جاتا۔ تو جو نیکی کر کے یاد کرتا اور اتراتا ہے بہتر تھا کہ تجھے ایسا سرد دل اور نکما حافظہ بھی عطا ہوتا کیا تو نے **نیکی کُن اور بدی یاد انداز** کا فقرہ نہیں سنا وہ نیکی کیا ہے جس پر اُس کا فاعل اتراتا اور شوخی کرتا ہے۔

نیکی وہی عمدہ اور قابل قدر ہے کہ جو اپنے آپ کو یاد نہیں کراتی۔ اور وہ بدی بھی مبارک ہے جو ایک دفعہ سرزد ہو کر اپنے وجود کی شرم اور خجالت کو ہمیشہ یاد دلاتی رہتی ہے جو شخص بدی کو یاد کر کے دردناک طور پر اُس سے اثر پذیر ہوتا ہے وہ بہت سی صورتوں اور حالتوں میں ارتکاب بدی سے محفوظ رہ سکتا ہے لیکن جو شخص بدی کو یاد بھی نہیں کرتا وہ گویا اُسکو بہت ہی قابل استعمال خیال کرتا ہے۔

ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ بدی سے محفوظ رہنے کے کیا وسائل ہیں اُس نے جواب دیا کہ بدی کو بدی بیان کر کے ہمیشہ گوشہ خاطر میں رکھنا ایک عمدہ ذریعہ تباہی سے محفوظ رہنے کا ہے۔ بدی وہی یاد رکھنے کے قابل ہے جو اپنی جانب سے ہو۔ وہ بدی جو دوسرے کی طرف سے ہو اُسے حتی المقدور بھلا ہی دو کیونکہ دوسری بدی کو نیکی کے مفہوم میں لینا خود ایک نیکی اور سعادت ہے۔ مبارک ہیں وہ شخص جو اپنی نیکی کو یاد نہیں رکھتے لیکن اپنی بدیوں پر [illegible] کرتے ہیں اور مبارک ہیں وہ بھی جو بدی کا معاوضہ نیکی سے دیا کرتے ہیں اور [illegible] کے لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں یہی ہیں جو خداوندی بادشاہت میں خوشی سے داخل ہونگے۔ یہی ہیں جن کو اِس دُنیا اور آنیوالے دنوں میں مبارک کیا جائیگا۔

نیکی اور بدی کا ثمرہ

کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ نیکی اور بدی کا ثمرہ نہیں ملتا۔ یہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ضرور ملے گی اور [illegible] ہے جو بوئیگا ضرور کاٹے گا۔

جو شخص ثمردار اور سایہ دار پودے لگاتا اور اُن کی پرورش کرتا ہے وہ ضرور پھل کا مالک ہوگا اور سایہ میں بیٹھیگا لیکن جو شخص بے پھل پودوں کی پرورش کرتا اور بے سایہ ٹہنوں کو لگاتا

ہے اُسے کانٹوں اور خار کے سوا کچھ نہیں دیا جائیگا ۔

انسان ایک کام کرتا اور طبعاً اُس کے ثمرے ملنے کا امیدوار رہتا ہے اگر یہ اصول قرار دیا جائے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا نہیں ملتی تو پھر گویا ایک ابدی و ازلی قاعدے میں انقلاب اور ابتری کے سامان خود ہی پیدا کئے جائینگے اور ایسی صورت میں کسی انسان کو نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کا خیال ہی نہ ہوگا۔ انسان جو نیکیاں کرتا اور بدیوں سے بچتا ہے وہ اسی حوصلہ اور امید پر جو اُسے سزا اور جزا کی امید اور خوف ہے۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ نیکی کر کے بھول جاؤ اور بدیوں کو ہمیشہ خوف کے ساتھ یاد رکھو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس صورت میں جزا اور سزا نہیں ملتی بلکہ یہ کہ نیکی کرو اور اُس کے اجر و بدلہ پانے کے واسطے لگا نہ رکھو اور بدی کی بابت ڈرو کہ اس کا عوض ضرور ملیگا اور جو بے اعتنائی کی گئی ہے اُس کی سزا پانی ہوگی ۔

نیکی اور بدی کی سزا اور جزا دو طریقوں یا دو عدالت گاہوں سے ملتی ہے ایک کا تصفیہ تو یہیں پر اسی دنیا میں ہو جاتا ہے اور دوسری صورت عالم ارواح میں نمودار ہوگی جن لوگوں نے خدا کے وجود باجود کو مانا اور تسلیم کیا ہے اور جو اس علت العلل کی مقدس ہستی کے قائل ہیں وہ تو ان دونوں سلسلوں اور عذاب و ثواب کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور جنہوں نے اس پاک ہستی سے روگردانی کر کے اس مجموعہ عالم کو بے ترکل مانا ہے وہ صرف اس عالم کی سزا اور جزا کو تسلیم کرتے ہیں خیر کوئی بھی صورت کیوں نہ ہو نیکی اور بدی کی جزا اور سزا تسلیم شدہ ہے اگر اُس عالم ثانی کا اقرار نہیں ہے تو یہاں ہی یہی سزا جزا تو ضرور مل کر رہے گی ۔

ہم عالم ثانی کی بابت بحث کر سکتے تھے کہ وہ عالم بھی درحقیقت موجود ہے اور یہ کہ اُس کی ضرورت بھی ہے مگر چونکہ ہم یہاں کسی اور کوچہ میں چلتے ہیں اُس قصہ کو یہیں کاٹے دیتے ہیں اُس کے واسطے کوئی اور میدان تلاش کرینگے ۔

نیکی اور بدی کے ثمرہ کی بابت ایک مغالطہ

نیکی اور بدی کی بابت یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ جب انکی جزا اور سزا بعض حالات میں مبہم طور پر ملتی اور بعض اوقات محسوس بھی نہیں ہوتی یہ خدشہ گذرتا ہے کہ نہ تو نیکی کا ثمرہ ملتا ہے اور نہ

بدی کا عوض یا سزا اس صورت میں نیکی اور بدی کا لحاظ یکساں کر دیا جاتا ہے۔ تو نیکی کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے اور نہ بدی کی کیونکہ جب انکی سزا و جزا نہیں تو ان میں فرق کیا ہو گا اور لوگوں کو ایک کے کرنے اور ایک سے باز رہنے کی ترغیب اور تحریص کیونکر ہو گی۔ لوگوں نے اپنے پیمانوں اور مقادیر پر نیکی اور بدی کی جزا یا سزا کو محصور اور محدود کر رکھا ہے اور حقیقت میں یہ امر نہیں بلکہ وہ پیمانہ اور ہی ہے۔ نیکی اور بدی کا موازنہ دو طاقتوں کی جانب سے کیا جاتا ہے ایک اعلیٰ طاقت یا درعلت العلل کی جانب سے اور ایک خود اسی نظام عالم میں یہ دونوں حالتیں کو ایک ہی صورت کی ہوتی ہیں مگر نہیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قدرتی معاملات اور موازنوں کی طرح نظام عالم میں حالت توزین اور تشخیص بھی کبھی کبھی وقفہ کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور اس وقفہ کی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال اور خدشہ گذرتا ہے کہ اُسکے اعمال یا افعال پر نہ تو کوئی غور کرتا ہے اور نہ انکی سزا یا جزا دی جاتی ہے۔

یہ ایک جرأت اور مسامحت ہے دونوں طاقتوں کی جانب سے نیکی اور بدی پر غور ہوتی اور سزا و جزا دی جاتی ہے لیکن انسان ان باریک اور پیچیدہ راہوں کو غور کی نگاہوں سے دیکھتا نہیں اور نہ ان پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر انسان غور کی آنکھیں وا کرے تو اُسے روز روشن کی طرح نظر آئے اور معلوم ہو جائے کہ ہر ایک عمل اپنا انعام یا سزا اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان [illegible] اور گہرائی کو دور اندیشی اور شعور کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اگر وہ گہری نگاہوں سے دیکھے تو وہ بہت جلد پا لیگا کہ ہر ایک نیکی اور بدی اپنا اثر اور اپنا نتیجہ اپنے ساتھ ہی لاتی ہے۔

قدرتی قوانین میں نیکی اور بدی کی سزا و جزا کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ کئی اصول اور چند طریقے ہیں انسان ان کو سرسری نظروں سے محسوس نہیں کر سکتا ایک نیکی کی جزا دی جاتی ہے اور ایک برائی کی سزا مگر انسان کو علم نہیں ہوتا کہ کس عمل یا فعل کا یہ معاوضہ ہے۔ قانون قدرت کا یہ مرئی قانون ہے کہ وہ ہمیشہ ایک نیکی یا ایک [illegible] معاوضہ یا بدلہ نہیں دیتا۔ بلکہ ایسی راہوں یا ایسی روشوں سے معاوضہ یا عذاب اور ثواب دیا جاتا ہے کہ جس پر انسان کی [illegible] دیا اثر پڑتا ہے۔ اُسے ایسی نیکی بدی کی یاد کرنے کا علم اور یاد بھی نہیں ہوتی۔ اگر راہ جزا یا سزا دی جاتی ہے تو اس حالت میں انسان

ہے اُسے کانٹوں اور خار کے سوا کچھ نہیں دیا جائیگا ؛

انسان ایک کام کرتا اور طبعاً اُس کے ثمرے یا نتیجے کا امیدوار رہتا ہے اگر یہ اصول قرار دیا جائے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا نہیں ملتی تو پھر گویا ایک ابدی و ازلی قاعدے میں انقلاب اور ابتری کے سامان خود ہی پیدا کیے جائینگے اور ایسی صورت میں کسی انسان کا بالتشر کو نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کا خیال ہی نہ ہوگا۔ انسان جو نیکیاں کرتا اور بدیوں سے بچتا ہے وہ اسی حوصلہ اور امید پر جو اُسے سزا اور جزا کی امید اور خوف ہے۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ نیکی کرکے بھول جاؤ اور بدیوں کو ہمیشہ خوف کے ساتھ یاد رکھو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس صورت میں جزا اور سزا نہیں ملیگی بلکہ یہ کہ نیکی کرو اور اُس کے اجر و بدلے کے دیتے لگا رکھو اور بدی کی بابت ڈرو کہ اس کا عوض ضرور ملیگا اور جو بے اعتنائی کی گئی ہے اُس کی سزا پانی ہوگی ؛

نیکی اور بدی کی سزا اور جزا دو طریقوں یا دو عدالت گاہوں سے ملتی ہے ایک کا تصفیہ تو یہیں یعنی اسی دنیا میں ہو جاتا ہے اور دوسری صورت عالم ارواح میں نمودار ہوگی جن لوگوں نے اسکے وجود یا نمود کو مانا اور تسلیم کیا ہے اور جو اُس علت العلل کی مقدس ہستی کے قائل ہیں وہ تو ان دونوں سلسلوں اور عذاب و ثواب کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور جنہوں نے اس پاک ہستی سے روگردانی کرکے اس مجموعہ عالم کو بدتر کل مانا ہے وہ صرف اس عالم کی سزا اور جزا کو تسلیم کرتے ہیں۔ خیر کوئی بھی صورت کیوں نہ ہو نیکی اور بدی کی جزا اور سزا تسلیم شدہ ہے اگر اُس عالم ثانی کا اقرار نہیں ہے تو یہاں ہی یہی سزا و جزا تو ضرور مل کر رہے گی۔

ہم عالم ثانی کی نسبت بحث کر سکتے تھے کہ وہ عالم بھی درحقیقت موجود ہے اور یہ کہ اُس کی ضرورت بھی ہے مگر چونکہ ہم یہاں کسی اور کوچہ میں چلتے ہیں اُس مقصد کو یہیں کاٹے دیتے ہیں اُس کے واسطے کوئی اور میدان تلاش کرینگے ؛

نیکی اور بدی کے ثمرہ کی بابت ایک مغالطہ

نیکی اور بدی کی بابت یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ اکثر نیکی کی جزا اور سزا بعض حالات میں مبہم طور پر ملتی اور بعض اوقات محسوس بھی نہیں ہوتی تو یہ حجت گذرتا ہے کہ نہ تو نیکی کا ثمرہ ملتا ہے اور نہ

بدی کا عوض یا سزا اس صورت میں نیکی اور بدی کا لحاظ یکساں کر دیا جاتا ہے۔ تو نیکی کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے اور نہ بدی کی کیونکہ جب انکی سزا و جزا نہیں تو ان میں فرق کیا ہوگا اور لوگوں کو ایک کے کرنے اور ایک سے باز رہنے کی ترغیب اور تحریص کیونکر ہوگی۔ لوگوں نے اپنے پیمانوں اور مقادیر پر نیکی اور بدی کی جزا یا سزا کو محصور اور محدود کر رکھا ہے اور در حقیقت میں یہ امر نہیں بلکہ وہ پیمانہ اور ہی ہے۔ نیکی اور بدی کا موازنہ دو طاقتوں کی جانب سے کیا جاتا ہے ایک اعلیٰ طاقت اور علت العلل کی جانب سے اور ایک خود اسی نظام عالم میں یہ دونوں حالتیں گو ایک ہی صورت کی نہیں ہیں مگر نہیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قدرتی معاملات اور موازنوں کی طرح نظام عالم میں حالت تو یں اور تغیر بھی کبھی کبھی وقفہ کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس وقفہ کی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال اور خدشہ گذرتا ہے کہ اُسکے اعمال یا افعال پر نہ تو کوئی غور کرتا ہے اور نہ انکی سزا یا جزا دی جاتی ہے۔ یہ ایک جرأت اور مسامحت ہے دونوں طاقتوں کی جانب سے نیکی اور بدی پر غور ہوتی اور سزا و جزا دی جاتی ہے لیکن انسان ان باریک اور لطیف راہوں کو غور کی نگاہوں سے دیکھتا نہیں اور نہ ان پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اگر انسان غور کی آنکھیں وا کرے تو اُسے روز روشن کی طرح نظر آسکتا اور معلوم ہو جاتا کہ ہر ایک عمل اپنا انعام یا سزا اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انسان [illegible] کی [illegible] اور گہرائی کو دور اندیشی اور غور کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اگر وہ گہری نگاہ ڈال کر دیکھے تو وہ بہت جلد پالیگا کہ ہر ایک نیکی اور بدی اپنا اثر اور اپنا نتیجہ اپنے ساتھ ہی لاتی ہے۔

قدرتی قوانین میں نیکی اور بدی کی سزا و جزا کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ کئی اصول اور چند طریقے ہیں انسان ان کو سرسری نظروں سے محسوس نہیں کر سکتا۔ ایک نیکی کی جزا دی جاتی ہے اور ایک برائی کی سزا۔ مگر انسان کو علم نہیں ہوتا کہ کس عمل یا فعل کا یہ صلہ و [illegible] ہے۔ قانون قدرت کا یہ مرعی قانون ہے کہ وہ ہمیشہ ایک نیکی یا ایک بدی کا [illegible] معاوضہ یا بدلہ نہیں دیتا۔ بلکہ ایسے ارادوں یا ایسی روشوں سے مبادلہ یا عداوت اور ثواب دیا جاتا ہے کہ جس پر اسکی دنیا ترقی [illegible] ہے۔ اُسے ایک ہی عمل کی [illegible] کا علم اور یاد بھی نہیں ہوتی۔ اگر [illegible] جزا یا سزا دی جاتی ہے تو اس حالت میں انسان

کو کافی علم ہو سکتا ہے کہ فلاں نیکی کا ثواب یا اجر اور فلاں بدی کی سزا دی گئی ہے یہی موجب ہے کہ انسان کو بعض اوقات یہ شبہ باقی ہوتا ہے کہ اس کی نیکی و بدی کی جزا و سزا نہیں دی گئی۔

یہی باعث بعض وقت انسان کو نیکیوں سے محروم اور بدیوں سے لاپرواہ بنا دیتا ہے اور بیہودہ دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھتا اور ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے بعض وقت جو اسے نیکی اور بدی کے نام سے اجر یا سزا نہیں دی جاتی ہے اس میں ایک گہرا اور لطیف بھید ہے اگر قدرت کی جانب سے ہر دو کے بدلہ دیا جاتا تو ہمیشہ نیکی کرنے والے انسان کو اپنی نیکیوں کے صرف قبولیت کا گمان اور رعونت رہتی۔ اس کا دل اور درجہ ضرور مغرور اور مشعور ہو کر لاپرواہ اور غافل ہو جاتا۔ اب تو اسے ہمیشہ ہی خدشے اور شبہے رہتے ہیں کہ آیا وہ نیکی قبول اور منظور ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر بدی کی سزا بھی نام بنام دی جاتی تو اس میں بھی خرابی عائد ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس صورت میں انسان ایک بدی کر کے اس کے مکافات کا آنا فانا منتظر رہتا اور اسی حالت میں ایسی بدیوں سے معترض رہتا صرف ایک خوف اور اضطراب کے لحاظ سے ہوتا نہ کہ خالص نیت اور خلوص قلب سے اور اس امر کا پھیلانا اور قائم رکھنا ضروری تھا کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کا حقیقت الامر کے تقاضا سے خیال ہو نہ کہ محض ڈر اور امید سے ان کو دوسرے الفاظ میں ایک طمع کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اگر ہر ہوا اس قسم کی بدی و مکافات دی جاتی اور اسی وقت تو اس قدر اثر نہ ہوتا اگر ایک مجرم کو ہو بہو وہی اور اسی قسم کی سزا دی جاتی تو اس کو ایک حوصلہ اور طمانیت رہے گی لیکن اگر اس سزا و بدل کا مقرر کرنا دوسرے کی مرضی پر ہو تو پھر مجرم کو تا ظہور اس بدل کے ایک سخت کھٹکا اور اندیشہ رہے گا جو ایک صورت میں خود ہی اس کے لئے ایک سزا ہے۔

نیکی اور بدی کی جزا و سزا کی نسبت کیا عمدہ پیرایہ میں فرماتے ہیں۔ "پر آید درست۔ آیہ سخت گیر و مرتا بد" بدی کی سزا میں قدرت اس امر سے دیر کرتی ہے کہ بدی کرنے والا اور بھی ہوس [illegible] اور جستہ کی اور بدی کا مستوجب ہو

اس واسطے نہیں دیا جاتا کہ اُس تعاوض اور تبادل سے سزا و جزا ہوتی ہے۔ اگر ہو بہو وہی پیمانہ اور طریق عمل رکھا جائے تو سزا اور جزا کا حقیقی اور اصلی مفہوم قایم نہیں رہے گا۔ اگر ایک شخص کو ایک دوسرے شخص کا پیسہ چرا لینے پر عدالت سے سزا ہوئی۔ اس لئے کہ اُس سے صرف ایک دمڑی پیسہ دلایا جاوے تو سزا اور عبرت و دہشت نہ ہوگی۔ اگر عدالت اس جرم پر مجرم کو جرمانہ اور قید کی سزا دیگی تو ایک عمدہ طریقہ ہوگا ۔

اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو مرنے سے بچائے یا کسی کے گھر میں آگ لگنے دے یا ایک شخص کی دینے سے امداد کرے تو اگر اس کا بدلہ انہیں صورتوں میں کیا جائے تو ایک تو انہیں واقعات کے وقوع کی انتظار کرنی پڑیگی اور دیکھنا پڑے گا کہ کب کسی کا گھر جلتا اور کب کوئی کسی قتل گاہ میں قتل کو جاتا ہے اور کب کسی کو بدبختی اور افلاس کی آفت طعمہ سانی ہے۔ یہ طریق عمل یا تدبیر تو دنیا کے تمام کام، وبار کو بند کر کے رہے گی ۔

اگر ہو بہو وہی سزا یا جزا دی جاوے تو اس امر کا استلزام بھی ضروری ہوگا کہ مقدار میں کمی بیشی نہ رہے اور اس سزا یا جزا سے اس قسم کی خوشی یا مسرت اور رنج یا اذیت ہو کہ جیسے دوسرے کو مل چکی ہے۔ یہ حفظ ما تقدم تو بہت ہی دشوار اور ٹیڑھی کھیر ہے اگر اس شارع پر چلی جائے تو شاید بہت سے مجرموں کو نصیحت کے واسطے مدتوں تک انتظار کرنا پڑے گا انہی صورتوں کے سبب نیکی اور بدی کے عوض نیکی اور بدی کی سزا و جزا دی جاتی ہے خواہ کسی قسم کی اور کسی حالت میں ہو انتظام عالم کے سلسلوں میں بھی کسی قدر تغیر کے ساتھ یہی عمل ہے اور تقریبا انہیں قواعد پر نظر ہے کہ جو قوانین قدرتی میں ہیں ۔

نیکی اور بدی کا معاوضہ اس وقت دیا جاتا ہے کہ جب اُن کا کافی ثبوت ہو اور ثبوت کسی امر کا دوسرے کے سامنے دلایل و براہین یا واقعات سے ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہمیشہ ثبوت کسی امر کا اصل امر سے بمقدار یا صورت میں کسی قدر خلاف ہوا کرتا ہے۔ اور ثبوت جو کسی قدر خلاف کے ساتھ قایم ہوگا۔ وہی سزا اور جزا کا ایک پیمانہ ٹھہرا

جائیگا۔ اور اسی کے موافق وہ سزا یا جزا ہوگی۔ اس حالت میں مثل بالمثل کا قانون باقی نہیں
رہیگا۔ بلکہ ایک تیسری صورت پیدا ہو جاوے گی۔ اگر کبھی یہ کہا گیا ہے کہ سزا اور جزا مثل
بالمثل ہوتی جائے تو اس کا مفہوم صورت سزا اور جزا ایک ہی مقدار و محدود ہے
اس امر کا مساوی نہیں ہے کہ کسی اور طریق عمل میں ایک سزا یا جزا ہو۔ یہ تو کہا گیا ہے
کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی لیکن یہ نہیں کہا گیا ہے کہ جیسی نیکی کی جائیگی
اسی حیثیت اور اسی شکل سے معاوضہ ہوگا یا جیسی بدی ہوگی اسی قسم سے بدلہ دیا
جائیگا سب سے سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا
دوسرے عالم تول سے ہو کر آتی ہے اس سے جس صورت یا جس طریق عمل کو صحیح اور
مناسب جانا عمل کیا۔ رہی یہ بات کہ نہیں اس کا وقت پر علم کیوں نہیں ہوتا یہ خود ہماری
کم اندیشی کا باعث ہے ہم کائنات عمل ضرور لیتے ہیں اگر ہم غور کرتے رہیں تو ہمیں ساتھ
کے ساتھ معلوم ہوتا رہتا ہے کیا نہیں سب سے بڑھ کر یہ علم دائی نہیں ہے کہ جب
ہم بدی کرتے ہیں تو ہمارے خود ہی ارتکاب کرنے سے اپنا دل اور اپنا تن ہی
حالت اور ہراسان رہتا ہے جس کو اطمینان قلب اور طمانیت کہا جاتا ہے اُس
کا وجود اس میں بھی نہیں دکھائی دیتا اور ہماری حالت ہمیشہ مضطرب رہتی ہے
گویا ہم سچ مچ کے تنور میں جل رہے ہیں۔ کیا یہ تھوڑی سزا اور تھوڑا بدلہ ہے۔
کیا ان حالتوں کو ہم خود ہی محسوس نہیں کرتے ہیں مگر ان سے کوئی عمدہ سبق نہیں
لیتے۔ بدی کو اگرچہ کئی سال گذر جائیں مگر پھر بھی اُس کی شورش اور جلن طبیعت یا دل
میں روز اول ہی کی طرح موجود رہتی ہے جب کوئی قریبی پہچان آنکھوں میں گذرتی
ہے تو وہ آتش جلن کو تیزی ہو جاتی ہے اور ہم ایک وجدانی سزا پا لیتے ہیں +

یہی حال نیکی اور خیر کا ہے گو ظاہر میں نہیں بالفعل نیکی اور بدی کا کوئی صلہ یا
جزا ملے لیکن ہم دل میں خوب جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی کھٹکا نہیں ہے
ہمارے دل و روح کی حالت نہایت ہی مطمئن اور قائم ہوتی ہے اگر اس اطمینان کو کسی خارجی
حادثہ سے علم کیا جائے تو ممکن نہیں کہ اس میں کمی نمودار ہو کیا ہماری نیکی اور خیر کا یہ تھوڑا
اثر اور کم نتیجہ ہے یہ وہ بات ہے جو لاکھوں سے حاصل نہیں ہوتی +

تعریف

اکثر ایسے لوگ ہیں کہ جو اپنے منہ سے بھی تعریف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اور لوگ بھی ان کی تعریف کریں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اپنے منہ سے اپنی تعریف نہیں کرتے مگر یہ آرزو رکھتے ہیں کہ دنیا اُن کی تعریف کرے بعضوں کو ان دونوں سے نفرت ہے۔

جو لوگ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے ہیں لوگ اُن کو برا کہتے ہیں اور اُن کی مذمت کی جاتی ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا - اور دوسروں سے اپنی تعریف چاہنا ایک اخلاقی کمزوری ہے +

جو اشخاص ان دونوں سے نفرت کرتے ہیں اُن کی تعریف کی جاتی ہے اور اُنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سلیم المزاج اور شریف الخصلت انسان ہیں +

جس طرح مذہبی مسائل اور قیاسات میں کبھی کبھی غلطیاں اور غلو ہو جاتے ہیں اور اسی غلطی کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ ہی بعض خیالات کی پوجا کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ اُن میں صداقت نہیں ہوتی اسی طرح اخلاقی مسائل میں بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات قیاسات کی صحیح فلسفی کو بھی بُرے معنوں میں تاویل کیا جاتا ہے ..

بعض حکیموں نے یہ بحث کی ہے اور اُن کی یہ رائے ہے کہ دنیا میں کوئی شے یا کوئی حالت بھی بذاتہ کلیتاً بُری اور اچھی نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات ایک شے یا ایک حالت کو باعتبار اُس کے عملی طریقوں کے اچھا یا بُرا کہا جاتا ہے قدرت کا قانون کچھ ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ ہر ایک شے میں کسی ایک قسم کی حقیقت پائی جاتی ہیں اگر ایک حالت میں ایک شے بُری کہی جاتی ہے تو دوسرے معنوں میں اُس کو اچھا بھی کہتے ہیں خواہ وہ برائی اور اچھائی اضافی ہو یا حقیقی +

یہ بالکل درست ہے کہ استعمالی طریقے ہر ایک عمل اور شے اور حالت کی بُرائی

اور اجتماعی ہر ایک خود طلب اثر رکھتے ہیں ۔

اسی ذات میں ایک حقیقت یا ایک صفت ہے کہ اپنا یا اور اس کی نسبت ۔ اتنا یہ خیال یا یہ قیاس کرنا کہ وہ ان معنوں میں وسعت پایا اور [illegible] اچھی بات ہی ہے ایک حالت قیاس ہے اس حالت جانی یا وجدانی سے کوئی بہتر حالی نہیں ہے ہر ایک شخص کسی نہ کسی صورت میں [illegible] اور عاقل ہے اور [illegible] ادراک اور عمل کوئی نہ کوئی حالت رکھتا ہے ۔

یہ حالت یا یہ ادراک اور عمل انسان پر موثر ہے اور اس اثر سے انسان ہمیشہ متاثر ہو کر اپنے ادراکات یا اعمال کا ایک نتیجہ نکالتا ہے اور اس سے وہ سمجھتا ہے کہ یہ نتیجہ اس شخص کا ہے یعنی نتیجہ سے مراد ایک ذاتی حاصل یا ادراک کہ انسان چاہتا ہے کہ لوگ یا دنیا اس کی نسبت کوئی رائے ظاہر کرے وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ اور لوگ اور دماغ اس کے بارہ میں کیا اور کیسے خیالات رکھتے ہیں اس خیال اور اس آرزو سے انسان کے دل میں ایک سرور یا ایک تکدر کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ اور بعض وقت یہ حالت انسان کو بڑی بڑی مشکلات پر کامیاب کرتی اور بڑی بڑی برائیوں اور خرابیوں سے بچائے رکھتی ہے ۔

ہم اس طبعی خواہش یا آرزو کو دوسرے الفاظ میں [illegible] سے تعبیر کریں گے یا یوں کہو کہ دوسرے مضمون میں اسی حالت کا نام [illegible] تسلیم کر لیے گئے [illegible] ہے اور یہ حالت عدم [illegible] تصور ۔

جو شخص یہ کہتا اور اصرار کرتا ہے کہ اس کے دل پر ایسی حالت کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس سے کبھی متاثر ہوا ہے۔ وہ ایک غلط خیال کی پیروی کرتا اور ایک دھوکہ دینے والی راہ پر جاتا ہے۔ کوئی شخص اپنے دل اور اپنے دماغ کو ان طبعی خیالات سے خالی ثابت نہیں کر سکتا ہے ۔

ہم دوسرے الفاظ میں اس مضمون کو بہ الفاظ سہل واضح کرنے کے لئے یہ کہیں گے کہ [illegible] کا نام دوسرے الفاظ یا دوسرے معنوں میں [illegible] اور [illegible] ہے ہر ایک شخص اس بات کا خواہاں ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں اپنے اعمال یا

اعمال یا خیالات کی وجہ سے محبوب اور موقر ثابت ہو اور وہ خاص طور پر عزت دیا جاوے

ایک خورد سال اور ایک معصوم بچہ جب کسی غیر کو بھی پیار کرتے دیکھتا ہے تو شوق سے اس کی طرف ہاتھ پھیلاتا اور جھکے جاتا ہے اس معصوم بچہ کو کون سی طاقت اُس غیر کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی ہے۔ اور وہ کیوں باوجود اس صغر سنی اور بے سمجھی غیر سے مانوس ہوا جاتا ہے۔ وہی طبعی کشش اور طبعی جذب جو ہر ایک طبیعت میں مودعہ ہے اس خورد سال بچہ کی رہبری کا باعث ہے +

جب ایک شخص کی عزت کی جاتی ہے تو وہ بھی عزت کرنے والوں کو محبت اور الفت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے یہ کیوں صرف اس واسطے کہ دوسرے لوگوں نے اُس کی خواہش کو پورا کیا۔ ایک انسان کا دوسرے انسان سے یوں پیش آنا دوسرے الفاظ میں ایک عملی تعریف ہے جس سے کسی شخص کو بھی بیزاری اور تنفر نہیں ہو سکتا اگر یہ درست ہے اور عزت طبعی کوئی اخلاقی جرم نہیں ہے تو کیا یہ نہیں کہا جائیگا کہ کسی انسان کا دوسرے انسان سے عملی پیرایہ سے اپنی عزت لینے کا چاہنا بھی ایک اخلاقی کمزوری یا کوئی ذلیل حرکت نہیں ہے دنیا میں رہ کر ہر ایک فرد بشر چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی نظروں میں موقر اور محترم بنا رہے

جو لوگ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے اور دوسروں سے بھی اس کے خواستگار ہوتے ہیں وہ اپنی ایک عملی غلطی یا طریق عمل کے برا ہونے کی وجہ سے دنیا کی نگاہوں میں معتوب ہوتے ہیں ورنہ وہ انہیں آرزوؤں کے دلدادہ اور مفتوں ہیں کہ جو ہر ایک انسان کے دل اور رگ و ریشہ میں خون کے ساتھ ساتھ دورہ کر رہی ہیں۔ ہر شخص اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتا ہے وہ جلد بازی اور بے صبری کر رہا ہے اگر وہ کچھ دیر اور ٹھہر جاتا اور جو کچھ اپنے منہ سے کہہ رہا ہے لوگ خود ہی اُس کا اعلان کرتے اور نہ آپ سے خود نہ نکلتے نہ اُٹھانی پڑتی +

ایک کاریگر کا یہ حق ہے کہ اپنی کاریگری کی بابت مناسب الفاظ میں اعلان دے اور لوگوں کو اُس کی ضرورتوں اور خوبیوں کی طرف توجہ دلاوے اور دنیا پر یہ بابت

کرے کہ میں ایک اچھا کاریگر ہوں اور ہاتھ کا ستھرا ۔

ایک طبیب کا یہ حق ہے کہ اپنے فنون طبیہ اور تجربہ کو لوگوں تک پہنچائے اور یہ چاہیے کہ عوام الناس اُس کے کمالات اور تجربوں سے فایدہ اُٹھائیں اور اُس کی مہر اور رسائی داد دیں ۔

ایک فلاسفر کہہ سکتا ہے کہ میری فلاسفی کی حد اور روز یہ ہیں اور میں اجرام سماوی اور طبیعات ارضی اور قوائے دماغی اور حسب ذہنی اور طاقت ہائے روحانی کو ان دلایل سے جانتا اور پہچانتا ہوں اور میں اپنے اسباب حس پران حقایق کا انکشاف کر سکتا ہوں ۔

ایک نشانہ باز حق رکھتا ہے کہ یہ دعوے کرے کہ میرا ایک نشانہ خطا نہیں جاتا اور میری روتیر بہ ہدف ہے ۔

ایک بیرسٹر ایک وکیل یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ میں رو رسیاں اور وضاحت تقریر سے مسائل قوانین کو عدالتوں پر نہایت واضح اور اچھے اچھے پوائنٹ پر دلچسپ بحثیں کر سکتا ہوں ۔

ان سب لوگوں کا یہ حق ہے کہ مخلوق سے اپنے اپنے کمالات کا معاوضہ چاہیں اور اُن کو اپنا قایل کریں اور لوگوں کا فرض ہے کہ ایسا ہونے کی صورت میں داد دیں ۔

یہ آرزو اور یہ حق طلبی اس حالت میں موزوں معلوم دیتی ہے کہ جب ایسے شخص کے کمالات کا عملی ثبوت بھی ہو ۔ اگر بر اخالی ڈھول بجایا جاوے تو پھر گویا معاوضہ بلا بدل کی آرزو کرنا ہے

یہ کہا جاتا ہے کہ بعض لوگ کسی قسم کی تعریف کے بھی خواہاں نہیں ہیں اور اُن کے دلوں میں اس قسم کی کوئی بھی آرزو نہیں ایک غلط رائے اور ایک ملمع میاد خیال ہے ہر ایک شخص کے دل میں دنیاداری کے اعتبار سے ایسی خواہش پائی جاتی ہے اور ضرور ہے کہ پائی جاوے جن پاک دلوں اور منتخب طبعیتوں میں اس قسم کے خیالات نہیں دیکھے جاتے اس کی یہ وجہ نہیں کہ اُن کے دلوں یا دماغوں میں ایسے خیالات کا نشو و نما نہیں ہوتا بلکہ یہ کہ ایسے لوگوں نے تمدن اور لاتعلقی کے

خیال سے ایسے خیالات کو جو پیدا ہونے کے رک رک کر یا دور کر دیا ہے اکثر انسانوں کو اس حالت میں لے آتی ہے۔

جو لوگ ایسی حالت رکھتے ہیں اور اُن کی سیر چشمی نے اُن کو اس درجہ تک پہنچا دیا ہے اُن کے کمالات اور فضائل خود ہی لوگوں کو اُن کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور اس صورت میں ان کا رتبہ اور بھی چڑھتا ہے۔ دراصل لوگ غلطی کھاتے ہیں کہ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے یا اُس کے خواہاں ہوتے ہیں نوع انسان آنکھ رکھتی ہے اور اس کے دل پر ہر ایک بری بھلی حالت کا اثر ہوتا ہے [illegible] کے وقت خود بخود ہی بول اٹھتی ہے اور خاموشی کی حالت میں خاموش رہتی ہے ایک اچھی سحری اور اچھا نظارہ شاعروں سے کسی درخواست نہیں کرتا کہ اُس کی تعریف کی جائے اور ایک بری حالت لوگوں کو منع نہیں کرتی کہ اُس کی برائی اور وحشت کا اظہار نہ کریں شاعروں کی طبیعتیں خود ہی مدح اور ذم پر متوجہ ہوتے ہیں خود ہی تعریف کرتے ہیں اور خود ہی مذمت شاعروں کی نازک خیالیوں کو کس نے اس طرف متوجہ کیا ہے اور کون اُن کو اُن کوچوں میں لے جا رہا ہے جو سبزی اور سیری کا سماں اسی طرح انسان کی ہر ایک اچھی یا بری حالت نوع انسان کو اپنی طرف متوجہ کراتی اور اپنا حق حاصل کرتی ہے۔

جیسے خود اپنے منہ سے اپنی تعریف چاہنا اخلاقی کمزوری ہے ایسے ہی نوع انسان کا کمالات اور فضائل کی داد نہ دینا اور نقائص کو نفرت کی نگاہوں سے نہ دیکھنا ایک اخلاقی نقص ہے برائی کی مذمت اور اچھائی کی تعریف کرنا دراصل ایک حق دار کو حق دینا ہے۔ لوگوں کے عمدہ خیالات اور صناعوں کی صنعت اور فلاسفروں کی حکمت طبیبوں کی طبابت ماہروں کی مہارت کی مناسب الفاظ میں داد دینا اور اُن کی قدر و منزلت کرنا اُن کے حوصلوں کو بڑھانا اور دوسری مخلوق کو اُس طرف توجہ دلانا ہے۔ اگر نوع انسان خاموش رہے اور کمال اور ہنر کو بے ہنری کے پہلو میں ہی رکھا جاوے تو دنیا میں ترقی کیونکر ہو سکتی ہے ملک آنکھیں رکھتی ہے اور نوع

انسان دانا و بینا ہے - اس کی نظر میں ہر چیز ہے ہر ایک نقص و ثواب
اور ہر ایک کمال کو دیکھتی اور جانچ کرتی ہے اور ہر ایک فعل اور عمل کا جاسوسی
سے رپورٹ کرتی ہے اور اس رپورٹوں سے لوگوں کے جو فیصلے اور [illegible] ہیں اور [illegible]
ہوتے ہیں - اور اصلاح ہو جاتی ہے - [illegible] اپنے پیشہ سے بولتا اور عمدگی خود اپنی
قسمت کرتی ہے - اچھی حالت لوگوں کو خود اپنی جانب بلاتی اور [illegible] دکھاتی
ہے - ہم اپنے منہ سے کہو یا نہ کہو جو بھی تمہارے دامن اعمال اور ہمیں [illegible] رنگ
چڑھاتے اور داغ لگاتے ہیں

عزیز کمال [illegible] چاہئے لگے تو دنیا تمہاری طرف متوجہ ہو گی [illegible]
[illegible] اور حصول داد ہے یہ انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے [illegible] کہا
[illegible] کا بھی یہ خاصہ ہے کہ وہ اچھی ادا پر اچھا اور بری باتوں پر [illegible] کرتی
ہے جو شخص دنیا دار ہو کر یہ کہتا ہے کہ میں اپنی تعریف نہیں چاہتا [illegible] دکھاتا
ہے لیکن [illegible] اس سے کیونکر رک سکتی ہے - جو شخص جھوٹی [illegible] بناتا
[illegible] مجبور کر رہا ہے وہ اپنے آپ کو بھی نہیں [illegible] کو بھی دھوکہ
دیتا ہے [illegible] تاکہ ہم تعریف اور [illegible] کے وارث بنائے جاؤ - [illegible] با اصول
کمال [illegible] وہ اس جنسی [illegible] کسی عادہ سے اپنا [illegible] کرنا
چاہتا ہے [illegible] ایسے شخص کو اگر ساری دنیا بھی سفید رنگ کا مان لے اور وہ اس
کی [illegible] گراں [illegible] تاہم اس کے دل میں [illegible] پیدا نہ ہوگی وہ خوب جانتا
ہے کہ اس [illegible] اس حکمت سے سیاہی کو سفید ہی [illegible] بدلا ہے - اور کس طرح [illegible]
[illegible] ہے - اس تعریف کے بجائے اگر یوں کہا جاتا کہ اوس کا رنگ
گو [illegible] مگر اس سیاہی میں داغ کیسے چمکیلے ہیں تو اس جھوٹی تعریف
سے [illegible] بہتر ہوتا -

اور [illegible] راستی راستی ہے اگرچہ وہ کتنے ہی پردوں میں مستتر ہو - جھوٹ
جھوٹ ہی ہے اگرچہ اس کو کیسا ہی جلا اور رنگ دیا جاوے ٭
اگر کوئی شخص بوجہ اپنے کمال کے تعریف کیا گیا ہے تو یہ اس کا حق تھا - اور

اگر وہ اس پر شکریہ کے ساتھ مار کرتا ہے تو وہ اپنی عزت آپ کرتا ہے۔ جو شخص اپنی تعریف پر اتراتا اور گھمنڈ کرتا ہے اور لوگوں کو اس ضمن میں حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے وہ اپنی تعریف کے بت کو گندگی میں رکھتا اور سر سر راہ لٹکاتا ہے۔

نیک انسان کسی کی تعریف اس غرض سے نہیں کرتی کہ معروف غریبوں سے عوض پا جاوے بلکہ اس واسطے کہ اس کو خیال ہے۔ اس کے کمالات میں اور کبھی متانت اور سنجیدگی۔ خوبصورتی اور فروتنی آوے۔

پھل دار درخت جھکتا اور اپنے شیریں پھلوں سے لوگوں کو محظوظ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اکڑنے والے پھل کا درخت ہمیشہ اپنی ٹہنیوں سے اونچا ہی جاتا اور آخر [illegible] ہو کر گر جاتا ہے۔ یہ اس اکڑنے کی سزا ہے۔

ہمارے اچھے عملوں کا پھل تعریف اور ہمارا احترام ہے اور ہمارے برے عمل ہماں نوع انسان کی نگاہوں میں پستی کے لئے دلیل ہوتے ہیں۔

زندگی [illegible] ہے اور [illegible] نہیں مل سکتا اس حالت میں ہماری زندگی کا [illegible] ہو جاتا [illegible] مل سکتی مگر اچھے اعمال اور اچھے اخلاق سے۔ اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی بنیاد خدا شناسی اور خدا پرستی ہے [illegible] اور عمل سے۔

مغرور شخص [illegible] اور [illegible] اکڑ کر [illegible]

پوشیدہ حالتیں

ہم اکثر حیثیتوں اور حالتوں کو نا سمجھ [illegible] اور اکثر حیثیتیں یا طاقتیں اور حالتیں مجہول الکیفیت ہیں گو ہم بعض اوقات دوسرے کے حالات سے خود کو واقف سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت اُن کی حالت [illegible] اکثر ہم سے پوشیدہ ہوتا ہے یا جو کچھ ہم نے اپنے قیاس اور تجربہ سے معلوم کر رکھا ہے وہ درست اور مطابق واقعہ کے نہیں ہوتا۔

ہر ایک انسان کی طاقت۔ شجاعت۔ حوصلہ۔ دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ یا ایسی نہیں ہوتی کہ جیسے اور لوگ سمجھتے یا محسوس کرتے ہیں ۔

شیراز کے شہرہ شیخ سعدی نے ایک موقعہ پر کہا ہے بنی آدم اعضائے یکدیگر اند شیخ مرحوم کا یہ گولڈن مقولہ ضروریات کی تحریک پر مبنی ہے اگر یہ راست ہوتا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کی چار دیواری میں جب تک ایک انسان دوسرے انسان کا عملی طور پر معین و معاون نہ ہو تب تک سوشیل اور تمدنی کاروبار نہیں چل سکتے اور نہ ہی انسانی جماعتیں اُن منازل کو طے کر سکتی ہیں کہ جن کا طے کرنا اُن کی حیات مستمرہ کا اصلی راز ہے۔ اس وقت دنیا کی گاڑی جن پہیوں اور جن پرزوں کے ذریعے چل رہی ہے اور جس حکمت عملی سے اُس کی رفتار میں یوماً فیوماً ترقی لطافی ہے وہ پہیے اور وہ پرزے اور وہ رفتار ایک دوسرے کی عملی معاونت اور عملی سلوک کا ہی اثر اور نتیجہ ہے ۔

اگر ایک شخص یا ایک فرد غلطی سے یہ خیال کرے کہ اُس کے کام کاروبار اور تمام منصوبے صرف اسی کی حکمت اور حرکت سے چلتے اور نشوونما پاتے ہیں تو وہ ایک خطرناک غلطی میں گرفتار ہے ۔

ایک جولاہے یا ایک آہن گر کا یہ کہنا اور ایک انجینئر کا یہ خیال کہ میں اپنا کام صرف اپنی ہی حکمت اور اپنے ہی زور بازو سے چلا رہا ہوں اور میں ہی ان سب موجودات کا موجد ہوں ایک سقم آمیز تھیوری ہے جولاہا اپنے کسب کے مفردات اور آہنگر اپنی آہنگری کی ضروریات اور انجینئر اپنی انجینئری کو یا سامان نظر دیکھے اور پھر کہے تو کیا وہ یہ کہنے کو تیار ہو گا کہ صرف اُس کے ہاتھ - اُس کے دل و دماغ نے ان تمام ضروریات اور کیفیات کو مہیا کیا ہے ۔

جس سوت سے جولاہا کپڑا بنتا اور جس لوہے کو آہنگر اپنے کام میں لاتا اور جن پرزوں اور مواد سے ایک انجینئر ایک مشین تیار کرتا ہے وہ سب جدا جدا ہاتھوں کی بناوٹ اور متفرق دماغوں اور دلوں کی ساخت اور تدبر ہے ۔

بیسیوں دلوں اور بیسیوں ہاتھوں کی کوششوں اور تدبر سے ان ضروریات کو

مہیا کیا ہے سب قوتوں کی اجتماعی طاقت سے جو آیا - لوہار اور انجنیئر کام لیتا ہے کیا
کوئی انکاری ہو سکتا ہے کہ دنیا کی سب ساختیں اور تمدن امر کا انجام اکثر قوتوں اور اکثر حالات
کا اثر نہیں ہے - کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں اکیلا ہی ان سب ایجادات کا موجد ہوں .

ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کا محتاج ہے اور ایک قوت دوسری طاقت کی دست نگر
ایک آنکھ دوسری آنکھ کے نظاروں سے استفادہ کرتی ہے اور ایک کان دوسرے
کانوں کی باتوں کو حفظ کرتا اور اُن سے ایک نتیجہ خیز اصول نکالتا ہے کون ہے کہ
جو ان باتوں سے انکار کر سکتا ہے اور کون ہے کہ جو ان امور اور ان واقعات کی
تصدیق نہیں کرتا +

باوجود ان سب باتوں اور ان تمام اتفاقات کے انسان کی عملی صورتیں اور عملی
تعلقات بعض اوقات سخت ژولیدہ اور پیچیدہ ہو کر ناگفتہ پیچیدگیاں پیدا کر دیتے
ہیں جن سے سوشل اور ملکی معاملات میں تنگی اور ابتری پیدا ہو کر تکلیف دہ
نتائج پیدا ہوتے ہیں یہ پیچیدگیاں صرف اس واسطے پڑتی ہیں کہ ایک انسان دوسرے
انسان کی بضاعت اور بساط حیثیت اور طاقت کو وزن نہیں کرتا اور نہ ہی مناسب
غور کے بعد حکم لگاتا ہے یا اپنی ذات پر وہم اور قیاس کر کے نتیجہ نکالتا ہے

یاد رکھو کہ جیسے انسانی مراتب مختلف ہیں ویسے ہی اُن کی کیفیات اور
بضاعتیں اور حیثیات مختلف ہیں اگر ایک طاقت دس من بوجھ اٹھا سکتی ہے
تو ضرور نہیں ہے کہ دوسری طاقت دس من ہی اٹھاوے ہر ایک اپنی طاقت
کے موافق کام کرتا ہے نہ کہ دوسرے کے سہارے پر +

متحدہ اور معین جماعتوں میں سے دوستوں اور مخلصوں کی جماعت دنیا میں
بہت کچھ سودمند اور زبردست ثابت ہوئی ہے قدرتی رشتے اور نسبتیں اگرچہ زیادہ تر
مضبوط خیال کی جاتی ہیں لیکن محبت اور اخلاص کے رشتے اُس سے بھی زیادہ پائدار
اور مستحکم ہیں گو ان کو کثرت حاصل نہیں اور ان میں ظاہرداری کو بہت دخل ہے
مگر پھر بھی جہاں جہاں یہ حالتیں ہیں اُس کا اخلاص اُن کی محبت اُن کی ہمدردی خونی
رشتوں نسلی نسبتوں سے کہیں زیادہ ہے - باوجود اس کے کہ ایسے تعلقات دلوں

سے تعلق رکھتے اور ایک اصل معاہدہ ہوتے ہیں پھر بھی ان میں ابتری اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مخلص دوسرے مخلص کا شاکی نظر آتا ہے اور کبھی کبھی ایسی شکایتیں عداوتوں اور رنجیدہ کاوشوں تک بھی جا پہنچتی ہیں۔ حالی رشتوں اور نسلی نسبتوں کی عداوتیں اس قدر مضر ثابت نہیں ہوتیں کہ جس قدر اخلاصی رشتے نقصان رساں اور اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس ابتری اور اس تکلیف کے اور لواحقات بھی ہونگے لیکن ان کا اکثر حصہ ایک دوست کا دوسرے دوست کی واقعی حالت سے بے خبر ہوتا ہے یا باوجود خبر اور علم کے اس واقعی حالت کے خلاف کرتا ہے۔ بعض اوقات دوستیاں کیوں ٹوٹ جاتی ہیں اور تمدن اور معاشرت کی خوبی و عمدگی میں کیوں فرق آجاتا ہے۔ ایک مخلص باوجود اخلاص کے کیوں چشم زدن میں خلاف ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی نسبت کیوں رنجاں شکایت دار ہوتی ہے۔ صرف اس وجہ سے ایک دوست دوسرے دوست کی بضاعت اور استطاعت کے خلاف خواہش کرتا ہے اور اس سے وہ بات چاہتا ہے کہ جو اُس کی طاقت سے باہر ہوتی ہے یا بہ حالات موجودہ جس کو وہ پورا نہیں کر سکتا ہے۔

ایک مخلص خوش قسمتی سے دس سیر بوجھ بہ آسانی اٹھا سکتا ہے لیکن اُس کا مخلص بجائے اس سیر کے اُس سے دس من اٹھوانا چاہتا ہے اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یا وہ ضعیف النفس مخلص بوجھ اٹھا کر اپنی گردن توڑ دیگا یا اپنے مخلص مزاج مخلص کو جواب دیکر چلتا ہوگا۔

ایک ملازمنگ پیپر سیاہی کو توچوس سکتا ہے لیکن ایک ندی کو کبھی نہیں چوس سکتا ایک راجس چاقو قلم تو تراش سکتا ہے لیکن عمارت کے واسطے شہتیر نہیں گھڑ سکتا۔

ایک حکیم کہتا ہے جو چیز قدرت نے جس غرض کے واسطے بنائی ہے اس کا استعمال اسی غرض کے واسطے کرو اُس کا الٹ استعمال تمام موجودہ بیروں کی ایک سوء تدبیر اور تمام گناہوں کا ایک گناہ ہے۔ ہمدردی اور دوستی اور اخلاص میں تمام خوبیوں اور تمام عمدگیوں کی یہ بنیاد ہے کہ کسی بات یا کسی شخص کو ایسی تکلیف نہ دی جاوے کہ جو اُس کی طاقت سے زیادہ اور اُس کی حالت اور حوصلہ سے باہر ہو۔ یہ ایک سخت گناہ

ہے اور ترتیب ہر ایک شے کے اپنے اپنے محل پر رکھنے کا نام ہے اور پھر ایک سلیقہ سے اُس ترتیب کو آخیر تک ملحوظ رکھنا ۔

جو شخص ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھتا وہ ہر ایک سے مروتائی کے مقابلہ میں ایک تکلیف مالا یطاق کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس امر کا فیصلہ کہ کوئی دوسرا شخص اپنے حوصلہ اور اپنی طاقت سے زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اُس کو اُس پر مجبور کرنا ناخوش کرتا ہے اس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات پر قیاس کرکے دیکھے اور سوچے کہ کیا وہ اپنی طاقت سے بغیر کسی خاص وجہ کے زیادہ کام دینے کو تیار ہے اور اُس کو وہ پسند کرتا ہے ۔

اگر کوئی مخلص یا کوئی دوست خود اسی تکلیف سے گھبراتا اور دل چُراتا ہے تو پھر باوجود اخلاص اور محبت کے کیوں اوروں سے امید رکھتا ہے اور اُس نامناسب امید کے پورا ہونے کی وجہ سے کیوں ناراض اور کشیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ تم جس گز اور جس پیمانہ سے خود پیمائے ہو اُسی سے دوسروں اور دوستوں کی بھی ناپ کر دو۔

جو پتھر تم کو مار سکتا ہے وہی دوسرے کی جان بھی لے سکتا ہے۔ اور یاد رکھو دوستی ایک قیمتی سرمایہ ہے اخلاص ایک نازک حالت ہے جو دوستوں میں سے دو چار دوست بھی مخلص اور باوفا نہیں نکلتے۔ دنیا میں واقف اور روشناس بہت ہے لیکن اخلاص اور سچی دوستی کیمیا سے بھی زیادہ نایاب ہے اسی قیمتی اور نایاب طاقت کو یوں خراب کر دینا ایک خطرناک غلطی ہے - تم اپنے دوستوں کو انہیں باتوں اور انہیں فرمائشوں پر مجبور کرو کہ جن کو وہ اُٹھا سکتے ہوں اور آن سے وہی چاہو کہ جسے وہ عمدگی سے پورا کر سکیں - اور اس کے مقابلہ میں ہر مخلص ثانی کا فرض ہے کہ س س - وقتی سے دوستوں کی خدمت پر تیار رہے اور اس سلسلہ کو آخر تک نباہے جائے ۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ۔ در پریشاں حالی و درماندگی

اوپر کے شعر میں شیخ مرحوم نے جس معانی اور جس مفہوم میں دوستی کی تعریف کی ہے وہ ایک بڑا وسیع مضمون یا مفہوم ہے بیشک دوست وہی ہے کہ جو خستہ حالی اور درماندگی میں دوسرے دوست کی خبر لیتا اور اس کی مدد کا باعث ہوتا ہے

جو ایسا نہیں کرتا وہ دوست نہیں بلکہ محض ایک واقف یا روشناس لیکن یہ مطلب بھی نہیں کہ ایک دوست دوسرے دوست کو اُن تکالیف کا متحمل کرے کہ جن کو وہ اُٹھا ہی نہیں سکتا اور پھر اُس کا شاکی ہو +

مصیبت اور تکلیف کا کوئی وقت نہیں اور آفتیں پوچھ پوچھ کر نہیں آتی ہیں چشم زدن میں بڑی بڑی طاقتیں اسی حالت سے گر جاتی ہیں اور ایک ہی رو میں سارا کرّ و فر اور امارت اور خوش حالی اُڑ جاتی ہے ایسے وقتوں میں سگے اور قریبی بھی منہ موڑ لیتے ہیں اور دنیا کا کچھ اور ہی رنگ ہو جاتا ہے ۔ لیکن صادق اور وفادار دوست ان وقتوں میں بھی پورے اور سچے ہیں اور راہنما بلکہ ثابت ہوتے ہیں اگر وہ ایسے وقتوں میں خاموشی اور پہلو تہی اختیار کریں تو دشمنوں سے بدتر ہوں گے +

وہ کون انسان اور وہ کون بشر ہے کہ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کبھی کسی کا محتاج اور دست نگر نہیں ہوا اور مجھ پر زمانے نے ہاتھ اُٹھانے کی قسم اُٹھائی ہے نزول آفات کے وقت ہر ایک بشر دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ اُس کی امداد کریں جن لوگوں کو ایسی ضرورت ہے اُن کا حق ہے کہ بالخصوص احباب سے التجا کیے جائیں اور اُن سے امداد چاہیں اور احبابِ مخلص کا فرض ہے کہ مدد دیں

یہاں تک تو یہ اصول اچھا اور قابل تعظیم ہے کہ ایک انسان دوسرے کی مدد کرے اور ایک دوست دوسرے دوست کے لئے ایک قوی سہارا ثابت ہو اور ہر ایک مخلص اخلاص کے مفہوم کو عمل میں لا کر دکھا دے +

جیسے کہ اور انسانی تصرفات میں غلطیاں ہو کر فساد کا باعث ہوتی ہیں ایسے ہی عمل اخلاص یا طلب اخلاص میں بھی غلطیاں اور فروگذاشتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں بعض احباب نے دوستی کے مفہوم کو خود غرضی کے مترادف سمجھ رکھا ہے ۔ اور بعض دوسرے دوستوں کے مقابلہ میں اپنے اغراض کو بہرصورت مقدم سمجھتے ہیں چاہے دوستی جاوے لیکن اُن کی ذاتی غرض مقدم رہنی چاہئے +
دوستوں سے فرمائشیں کرو اُن سے مدد چاہو اُن کے اخلاص سے کام لو اُنکو

ایسا مت سمجھو لیکن اُن کی تکلیف اُن کی صحت کا باعث ہو کر دماغ کے ساتھ اُن کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرو بیشک ایک شخص تمہارا شریف دوست تھا لیکن اُس کی شرافت اُس کا اخلاص یہاں تک تو متحمل نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اُٹھا سکے وہ اُٹھانے کو تیار ہے لیکن اس غرض کی گردن ٹوٹ کر رہیگی

ایک شخص حیا اور شرم کے مارے تمہاری فرمائشوں کو مانتا جاتا ہے اور تم ایک گولی کی طرح اندھا دھند آگے ہی بڑھتے جاتے ہو کیا یہ عمل درست ہے کیا اس سے تمہارے عزیز دوست کی اصلی طاقت قائم رہ سکتی ہے کیا تم اپنے ایسے اعمال سے اپنے دوستوں اور اپنے احباب کو خوش کر سکتے ہو یا تمہارا خود غرض اخلاص قائم رہ سکتا ہے ✦

اگر تمہارا یہ عمل ہے تو یہ اخلاص نہیں ہے بلکہ ایک دھوکہ اور فریب کاری ہے مخلص اور شریف دوستوں کو ایسے حالات سے قطعی مجتنب ہونا چاہئے کیونکہ یہ عمل دوستی کو ناس کرتا ہے ✦

جن دوستوں اور جن احباب کو خدا نے شرف اور اقتدار طاقت اور حوصلہ بخشا ہے اُن کا بھی فرض ہے کہ وہ شیخ مرحوم کے بتائے پر عمل کریں اور ہر ایک دوست کے واسطے مصیبت کے وقت اور ضرورت کے وقت حتی الامکان بازو رحمت تیار ہوں قبل اس کے کہ وہ شرم سے اپنی زبان کھولیں اور اُن سے امداد کے خواہاں ہوں اُن کی معاونت اور ہمدردی کا سامان کریں۔ اور اُن کے واسطے ایک راہ بنا دیں یاد رکھو ایک مخلص دوست کے لئے بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے سگا بھائی شراکت کی وجہ سے انحراف کر سکتا ہے لیکن ایک مخلص دوست کے واسطے ایسا کرنا ایک شرمناک غلطی ہے جس کا جواب وہ اُسے ضرور دینا پڑیگا ✦

پاکیزگی

ایک حکیم کا قول ہے کہ شاید کوئی ہی دنیا کی ایسی حالت ہو کہ جس کے دو پہلو

دنیوی رنگ پہلو یا ایک جہت سے ایک حالت کچھ اور معنی یا اثر رکھتی ہے اور دوسرے پہلو یا جہت سے وہی حالت کسی اور معنی یا اثر پر محمول کی جاسکتی ہے - اس اصول سے اگر ہم دنیا کی مختلف حالتوں پر گہری نگاہ ہوں اور غور کی آنکھوں سے دیکھیں تو ہمیں پتہ لگ جاویگا فی الواقعہ دنیا کی اکثر حالتیں مختلف پہلو رکھتی ہیں اور ان مختلف حالتوں میں سے بعض حالتیں واقعی ایک عمدہ اور مستحسن حالتیں ہوتی ہیں اور بعض کا درجہ اُن سے بہت کم یا کسی اور مفہوم اور اثر کا ہوتا ہے پاکیزگی کی ہر ایک مذہب اور ہر ایک ملت میں تعریف کی گئی ہے خواہ کوئی شخص کسی مذہب کا قایل ہو یا آزاد خیال رکھتا ہو اُس کے نزدیک بھی پاکیزگی کا وجود تسلیم کیا گیا ہے ؞

پاکیزگی کو فردی ہستیوں کے اعتبار سے خواہ کسی طور پر ہی مانا جاتا ہو مگر اصولی جہت سے ہر ایک شخص کے خیال میں پاکیزگی کا وجود قابل تعظیم ہے ہر ایک شخص خواہ وہ کسی خیال کا ہو یہ خواہش رکھتا ہے کہ اور مخلوق اُس کو ہر جہت سے پاکیزہ تسلیم کرلے اور پاکیزگی کی جہت سے اُس پر کوئی اعتراض نہ کیا جاوے ؞

گو لفظ پاکیزگی کے معنی یا مطلب کو ہر ایک زبان یا خیال کے موافق اور معنوں میں ظاہر یا تاویل کیا جاتا ہو لیکن اس کے مفہوم کا معیار اور حالت سب کے نزدیک یکساں ہے ؞

مذہب اور دین والوں نے اس کو نیکی اور خدا ترسی یا مذہب پرستی کے نام سے ظاہر کیا ہے اور اخلاقی عالموں نے اس کا نام حسن اخلاق کی پیروی اور تہذیب کہا ہے جو لوگ فلسفہ سے محبت رکھتے ہیں اُن کے خیال میں اس طریق عمل کا نام روشن ضمیری ہے گو دنیا والوں نے مختلف راہوں سے اس منزل کو طے کیا ہے مگر در اصل منزل ایک ہی ہے ؞

جب اخلاقی قوتوں یا خیالات کی نسبت بحث ہو تو اُس حالت میں ہمیں ان معمولی اختلافات کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ ایک ہی منزل کے ممکن ہے کہ بہت سے طریق اور راہیں ہوں یہ تو مان لیا جاویگا کہ شاید اُن راہوں میں سے بعض راہیں مقابلتاً صاف اور سیدھی ہوں مگر جب ہر ایک راہ باوجود ایسی دقتوں اور ضعف

گذاری کے بھی سالک کو اس منزل پر پہنچا سکتی ہے تو پھر زیادہ تر ترجیح قدح کی مستوجب کیا ہے +

بمقابلہ سب راہوں کے مذہب و ملت کی ہی ایک ایسی راہ ہے کہ جو عام طور پر زیادہ تر صاف و آسان ہے اور جس پر مخلوق کا اکثر حصہ طبعی طور پر یقین کرنے کو تیار ہو جاتا ہے +

ہم اخلاقی طاقتوں اور علمائے فلسفہ اور اُن کے اجتہادات کو بہر صورت واجب التعظیم سمجھتے ہیں اور وہ دنیا کے واجب الاکرام اصولوں میں سے ہیں مگر اگر بہ نظر انصاف دیکھا جاوے تو اُن کے مقابلہ میں مذہب کی راہ راست ہی آسان اور دلچسپ واقع ہوئی ہے اور لوگ اُس پر بلا زیادہ تر سنجیدگیوں اور روک ٹوک کے چلے جاتے ہیں +

باوجود اس بات کے کہ بعض اوقات مذہب اخلاق اور فلسفہ سے بھی زیادہ تر سہمی راہوں سے لے جاتا ہے مگر پھر بھی لوگ اُسی طرف رجوع کرتے ہیں یہاں تک کہ جاہلان سے لوگ اور فلاسفر بھی آخیر کار اسی راہ سے منزل مقصود پر آ جاتا یا زیادہ تر دوڑ جاتے ہیں +

اگر ہمارے ہاتھ میں کل دنیا کے فلاسفروں کا مجموعی الہام ہو تو ہم ایک ہی نظر میں کہہ سکیں گے کہ کس قدر جلیل القدر فلاسفروں اور حکیموں کا رجوع اور میلان مذہب کی طرف ہوا ہے اور ان پاکیزہ دل لوگوں نے کس شوق سے اس کو دیکھا ہے +

اس میلان کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان لوگوں نے اسی روشن ضمیری سے مذہب کو ایک ایسی جامع مانع طاقت پایا ہے کہ جس میں سب قسم کی طاقتیں اور نور موجود ہیں - ایک فلاسفر لا مذہب ہو سکتا ہے لیکن ایک مذہب کا پرستار کبھی بھی فلسفہ سے انکار نہیں کر سکتا ہے - ایک حکیم تو کہہ سکتا ہے کہ میں کسی مذہب کا قائل نہیں ہوں لیکن ایک مذہب کسی حالت میں یہ کہنے کی طاقت نہیں رکھے گا کہ میں حکمت کا دشمن یا اس سے عاری ہوں +

جہاں ہم نے مذہب پر بحث کی ہے وہاں ثابت کر دیا ہے کہ دراصل مذہب ایک وسیع ظرف ہے کہ جس میں دنیا کے تمام روشن ضمیروں کی جولانیاں سما سکتی ہیں جب ہم

ایک سیدھی اور صاف راہ ہے تو ہمیں مذہب کے معنوں میں ہی پاکیزگی پر بھی بحث کرنی چاہئیے ۔

جب مذہب ہر ایک شخص کو تاکید کرتا اور زور سے سکھاتا ہے کہ اُسے پاکیزہ رہنا چاہئیے جہاں مذہب نے انسان کے معاملہ میں پاکیزگی کا لفظ اطلاق کیا ہے وہاں اُس کے تمام احکام اور مفہومات کو لے لیا ہے۔ جو شخص کسی مذہب کا قائل نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ بعض قسم کی پاکیزگیوں کو دور رکھ کر ان مضمون پر توجہ اور بحث کرتا ہو لیکن جس کا دل مذہب کے نور سے روشن ہے۔ وہ ہر ایک قسم کی پاکیزگی سے بحث کریگا ہر ایک مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا اور یہ سکھاتا ہے "

پاکیزہ ہو اور پاکیزگی اختیار کرو ۔

مذہب ایک پکار رہی ہے خواہ وہ کسی کے منہ سے نکلی ہو اُس کی پہلی آواز یہی ہے ۔ اے انسان تو پاکیزہ ہو اور پاکیزگی اختیار کر "

جن لوگوں نے اس رسیلی آواز پر دھیان لگایا اور دل و دماغ رجوع کیا ہے وہ پاکیزگی کی تلاش میں غور کرتے اور سوچتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں نے اسے صرف ایک آواز ہی سمجھا ہے اب تک اُن کے دماغوں میں کوئی اثر نہیں ہوا ہے ۔

پاکیزگی کی کئی ایک قسمیں ہیں ۔

بدن ۔ عوارض بدن ۔ اسباب عوارض بدن ۔ مکان حالت ۔ ماکولات مشروبات ۔ ملبوسات دیگر تعلقات ۔ اور دل و دماغ ۔ قوائے باطنیہ پاکیزہ رکھنا یہ سب پاکیزگیاں ہیں ۔

اور ان سب کی بابت دنیا کی ہر ایک نفیس اور بااثر طاقت خواہ وہ مذہب ہو یا کچھ اور تاکید کرتی ہے ۔

ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر ایک طرح سے صاف اور پاکیزہ رکھے ۔ اُس کا بدن ۔ اُس کا لباس ۔ اُس کا مکان ۔ اُس کے دیگر تعلقات جب تک پاکیزہ نہ ہوں تب تک در اصل وہ انسانیت اور لازمہ انسانیت سے دور پڑا رہتا ہے

اور اُس میں وہ طاقت نشوونما پانے سے رکی رہتی ہے کہ جس میں ایک نورانی طاقت ہے اور جو اُس کے تمام اعضاء اور اُس کی تمام قوتوں کو جلا دیتی ہے ٭

یہ سب قسم کی پاکیزگیاں آسان اور روزمرہ ہیں۔ ان میں سے ایک ہی قسم کی ایسی پاکیزگی ہے کہ جو کسی قدر مشکل ہے اور اسی جہت سے وہ [illegible] تمدنی اور [illegible] ایسا بھی ہے ان سب پاکیزگیوں کے معاملہ میں اُس کا وجود زیادہ [illegible] رکھتا ہے [illegible] ہوئے ہے یہ تمام پاکیزگیاں لاحاصل اور محض لچ ہیں لیکن اُس کے ہوتے ہوئے اگر یہ پاکیزگیاں نہ بھی ہوں یا ان میں کوئی کمی ہو تو اس سے [illegible] ہمارا [illegible] میں کوئی نقص نہیں پیدا ہو سکتا ٭

دراصل اُس کے معاملہ میں اور سب پاکیزگیاں [illegible] اور [illegible] "پاکیزگی دراصل یہی ہے"

جو شخص ہر روز غسل کرتا اور کپڑے بدلتا [illegible] اور وہ [illegible] رہتا ہے وہ [illegible] ہے جس شخص کا مکان [illegible] اور سجا ہوا ہے اور جس [illegible] ایک [illegible] میں ایک قسم کا [illegible] اور پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ اُس کی نسبت کہا جا سکتا کہ وہ [illegible] اور جوش کرداں ہے ؛

جس شخص کے کپڑوں میں کبھی نام کو بھی داغ نہ لگا ہوا جو شخص دنیا بھر میں خوش لباس مشہور ہو [illegible] وہ [illegible] اور [illegible] کے قابل ہے جس شخص کی ساری عمر [illegible] اور روشنی میں گذری ہے اور جس کے [illegible] بالوں [illegible] اور [illegible] کی آنکھیں اور [illegible] رکھی ہوئی ہوں درحقیقت [illegible] ہوں [illegible] وہ [illegible] کے قابل ہے۔ جو شخص ہر ایک وقت میں [illegible] ہوا [illegible] کی کمائی کا اکثر حصہ راہ عام میں جاتا ہو اور جو اپنی سوسائٹی میں خوش اخلاق اور [illegible] مشہور ہو وہ مبارکباد کے قابل ہے جس شخص کے اکثر اوقات علمی بحثوں اور علمی تذکروں میں گذرتے ہوں وہ ایک عزیز القدر شخص ہے ٭

جو شخص عابد اور زاہد ہو وہ واجب التعظیم ہے ٭

جو اپنی قوم یا لوگوں کا ریفارمر یا مصلح ہو اُس کی عزت ہم سب پر لازم [illegible] جس

اور لازم ہے ۔

بڑے بڑے پاک خیال مولفوں یا مصنفوں۔ بڑے بڑے تمام اور لیڈروں بڑے بڑے بادشاہوں اور حاکموں بڑے بڑے جوانوں اور شہروروں کی صوری و معنوی طاقتوں کا ہمیں دل سے اعتراف کرنا لازمی ہے ۔

مگر یہ سب بڑائیاں اور یہ سب امتیازات اُس وقت تک محض ہیچ ہیں کہ جب تک وہ پاکیزگی جو مذہب سکھاتا ہے اور جو فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ انسان کو حاصل نہ ہو۔ یہ سب پاکیزگیاں ظاہری صفائیاں اور سراسر تماشہ ہیں ان کی بنیاد دیدرورہ اور اُس کے فوائد خیالی اور نستی ہیں یہ ضرور ہے کہ ان میں بھی ایک طاقت ہے مگر اگر غور کرو تو یہ سب کچھ اُس پاکیزگی کا حاشیہ ہیں کہ خاص رہنگی کا اصلی مفہوم اور رواجی مفاد ہے۔

اس بارہ میں مذہب ہمیں کیا سکھاتا اور کیا تعلیم دیتا ہے۔

مذہب یہ سکھاتا اور یہ تعلیم دیتا ہے

"جو انسان دل کا پاکیزہ اور صاف نہیں ہے اور جس کی قوت ضمیری میں بجائے نور کے ظلمت کا مسکن ہے وہ کسی حالت میں بھی پاکیزہ نہیں ہے۔ ہر ایک قسم کی پاکیزگی اسی حالت میں پاکیزہ کہی جاسکتی ہے کہ جب دل صاف اور نورانی ہو۔"

مذہب کہتا ہے پہلے تم دل کو صاف کرو اور پھر اور صفائیوں کی جانب رجوع لاؤ مذہب کا بڑا بھاری اصول دلی یقین ہے اور دلی یقین اس وقت تک بے سود ہے کہ جب تک دل میں نور نہ ہو اور نور اُس وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب دل بھی صاف اور پاکیزہ ہو

انسان کے عملوں اور واقعات کا فیصلہ اور ثمرہ ہمیشہ نیت پر ہوتا ہے اور نیت کا تعلق اُس کی قوت ضمیری سے ہے جب تک قوت ضمیری پاکیزہ نہ ہو تب تک یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص دل سے بھی پاکیزہ ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ انسان کے اجلے کپڑے اور ستھرا بدن اور موثر باتیں اور دل کش چلنے ضرور اوروں کو گرویدہ بنا دیتی ہیں مگر اس میں جب تک روحانی جوہر کی طاقت اور تاثیر نہ ہو تب تک یہ سب کا سب سراسر ہیچ ہیں ۔

اگرچہ ایک سکہ اوپر سے سنہری ہو مگر تا وقتیکہ اُس کے اندر کھوٹ نہ ہو تب تک اُسے طلائی نہیں کہا جاویگا اور نہ ہی وہ بازار میں اچھی قیمت پا سکتا ہے ۔

پاکیزگی دل میں پیدا ہو سکتی ہے اور دل اُس کا عادی بنایا جا سکتا ہے لیکن اس حالت میں کہ جب ہم اصول پاکیزگی کے قابل ہوں مذہب ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ تمام قسم کی پاکیزگیاں صرف اُس حالت میں کامیابی سے حاصل ہو سکتی ہیں کہ جب دنیا میں ایک بڑی طاقت اور اعلیٰ قوت کی تعظیم کی جاوے اور اُسے ہر ایک وقت میں حاضر و ناظر اور متصرف سمجھا جاوے مذہب نے اُس طاقت کا نام "خدا" رکھا ہے پس سب سے اول لازمی ہے کہ ہم سادگی سے خدا کے وجود کے قایل ہوں ۔ کیونکہ ہر ایک قسم اور حصہ دلی پاکیزگی کی بسم اللہ یہیں سے شروع ہوتی ہے ۔ اور سب پاکیزگیوں اور نیکیوں کی بنا وہی ہے ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو لوگ خدا کے منکر ہوتے ہیں وہ بھی اخلاقی طور پر دلی پاکیزگی کے قایل اور معترف ہیں اور اُن میں اس تمیز کی روح ہے مگر دراصل اُن کی پاکیزگی بے سند اور خیالی ہے اور اس کو کوئی قیام اور بقا نہیں کیونکہ وہ ایسے چشمہ سے نکلی ہے کہ جو خود فانی اور مخلوق ہے ۔ اور جس پاکیزگی کی تعلیم مذہب دیتا ہے وہ غیر فانی چشمہ سے آتی ہے اور ابدی و ازلی ہے یہی فرق ہے جس نے مذاہب اور منکران ذات واحد کو جدا کر کے دکھایا ہے ۔

بیرونی اور فانی پاکیزگی انسان کو بیرونی اور بے اثر فوائد دلاتی ہے لیکن اندرونی اور حقیقی و غیر فانی پاکیزگی ہمیں وہ باتیں سکھاتی ہے کہ جو ہمارے علم اخلاق کی بنیاد اور فلسفہ کی جڑ ہیں ۔

جس کا دل صاف نہیں اور جس کی قوت ضمیری میں ظلمت ہے اور جس کا باطن کدورت بھرا ہے اُس کا ہر ایک کام خواہ نیک ہو اور بظاہر حقیقتاً ملمع نما اور سراب صفت ہے نہ تو لوگوں کو اُس سے اطمینان ہے اور نہ ہی خود اُس کو اوروں سے تسلی ہے

جو شخص دل صاف نہیں رکھتا ہے وہ ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ جس کا علاج گو خود اُس کے ہاتھ میں ہے مگر اُس کی بدقسمتی اور کور باطنی کچھ کرنے نہیں دیتی ہے

کور چشم ہونا بہتر لیکن کور باطن ہونا ایک سخت عذاب اور باعث ندامت ہے
اے انسان تو دل کی پاکیزگی اختیار کر تیرے سارے اعضا اعمال تمام خواہشیں سب
دل کے ماتحت ہیں جب تیرا ضمیر روشن ہو گا تو دنیا کی کوئی بات [illegible] تمہارا دل
تیرا دل [illegible] اور تیرا باطن روشن ہو [illegible] تیری تمام آنکھیں ان دھوکا [illegible] ہیں۔

ہماری زندگی کا اسٹیشن

جس طرح ریل کے اسٹیشن پر جس مسافر کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی منزل مقصود کیا اور کونسی ہے اور وہ کس راستہ اور کس [illegible] جا رہا ہے تو وہ اس کی [illegible] کی حالت میں کبھی منزل مقصود اور مقام [illegible] پہنچ نہیں سکتا ہے اگر ایک شخص ریلوے اسٹیشن پر پہنچتا اور اس کے سامنے ٹکٹ بابو [illegible] لیکن اگر اس کو اپنی منزل مقصود اور دوسرے [illegible] کا نام [illegible] اسٹیشن سے اُتر جاتا ہے [illegible] ٹکٹ [illegible] سکتا ہے اور [illegible] ریل میں سوار ہو سکتا ہے لوگ [illegible] ہو جاتے ہیں اور وہ ریل سے اتر جاتا ہے پر اسٹیشن پر نکال دیا جاوے گا۔

[illegible] اور [illegible] کا [illegible] اس کو صرف اس واسطے ہوتی ہے [illegible] منزل [illegible] تھا اور اس نے یہ معلوم نہیں کیا کہ کس اسٹیشن پر جا کر اترنا ہے اگر وہ اس بات سے واقف ہوتا تو اس قدر حیرانگی اور مایوسی میں [illegible]

یہی حال اس شخص کا ہے کہ جو اس دنیا میں آ کر یہ نہیں جانتا کہ اس کی [illegible] زندگی کا [illegible] اور مقصد کیا ہے اور اس نے ان تھوڑے دنوں میں کس منزل پر پہنچنا ہے اور کہاں جانا ہے جو لوگ اپنی زندگی کی بابت اس قدر نہیں جانتے وہ اسی مایوس الحالت مسافر کی طرح ہیں کہ جو ریلوے اسٹیشن سے باوجود سامان اور [illegible] کے نامراد واپس آیا اور راہ میں حیران ہو رہا ہے۔

زندگی ایک دلچسپ اور حیرت انگیز سفر ہے زندگی کا [illegible] اور [illegible] مقصد ہے وہ اس کی منزل ہے جو شخص اپنی زندگی کے مقصد اور [illegible] سے نا واقف [illegible] ہے وہ

درحقیقت نہیں جانتا۔ کہ سفرِ حیات کا آخری مقام اور منزلِ مقصود کون سی ہے اور کن راہوں اور کن طریقوں سے اس پر فائز ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ جس طرح ہر ایک مسافر کو مسافرت میں مختلف منزلوں اور مختلف راہوں سے گزرنا اور جانا پڑتا ہے اسی طرح پر زندگی کے سفر میں بھی مختلف راہیں اور طرح طرح کی منزلیں دیکھنی پڑتی ہیں ہر ایک راہ کے رسم و رواج اور مصائب و آرام جداگانہ ہیں اور ہر ایک منزل دوسری منزل سے کچھ اور ہی نقش اور رنگ رکھتی ہے۔ بعض منزلیں اور بعض راہیں صعب گذار ہیں اور بعض میں سہولت ہے بعض اعلیٰ ہیں اور بعض اسفل زندگی کی مسافرت بھی بہت سی راہیں اور [illegible] منزلیں رکھتی ہے اور ان منزلوں کے درجے اور خاص حالات ہیں ان میں سے بعض معمولی درجہ کی منزلیں ہیں اور بعض اوسط اور بعض اعلیٰ بعض لازمی بعض غیر ضروری۔ بعض قابلِ اجتناب اور بعض سرسری نظر سے دیکھنے کے قابل؛

زندگی کی ہر ایک منزل اس قابل ہے کہ انسان اس کو بنظرِ غور دیکھے اور اس کی بھلائی اور بدی سے واقف [illegible]؛

جس طرح ایک سیاح [illegible] میں چھوٹی موٹی باتوں کو دامنِ غور میں لیا جاتا ہے اسی [illegible] کو واقعاتِ پیش آمدہ پر [illegible] جانا چاہئے کہ اس کی سیاحتِ زندگی میں کون سی اعلیٰ منزل ہے اور [illegible] منزل میں پہنچ کر اس کے سفر کا خاتمہ ہونا چاہئے اور کس کس منزل اور راہ پر راستے لگنا اور ٹھہرنا ضروری ہے اور کیا کچھ عمل کرنا لازمی ہے؛

ہر ایک سفر کا ایک شروع اور ایک خاتمہ ہوتا ہے اسی طرح ہماری زندگی کے سفر کا ایک شروع اور ایک [illegible] پیدا ہونے کے ساتھ ہی دارِ مسافرت میں داخل ہو جاتے ہیں اور [illegible] دلچسپ سفر کا خاتمہ ہو جاتا ہے

اگر ہم اس شروع اور اس خاتمہ [illegible] جائیں کہ اس سفر سے ہماری اعلیٰ غرض اور اعلیٰ مقصد کیا تھا تو یقیناً ہم نے اس شروع اور خاتمہ کو سمجھا تک نہیں اور

جس قدر مدت سیاحت زندگی میں گذری اس کا تمام حصہ کور باطنی اور کور چشمی سے معمور تھا ٭

خداوند کریم نے ہمیں نور عقل اور قوت تمیز دی ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے سفر زندگی کے اغراض سے محض نابلد رہیں اگر ہم غور کی آنکھوں سے دیکھیں اور تمیز کانوں سے سننے لگے تو ہمیں معلوم ہو جاوے گا۔ کہ اس سفر میں کون کون سی منزلیں دلچسپ ہیں اور کن کن میں تنگی اور صعوبت ہے کہاں ٹھہرنا چاہئے اور کہاں نہیں۔ کون منزل اعلیٰ ہے اور کون اوسط و اسفل اور سب سے اعلیٰ مقصد ہمارے اس سفر کا کیا ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اور اس کا اندازا ہم کس منزل پر پہنچ کر کر سکتے ہیں ٭

جن لوگوں اور جن حکیموں نے سلسلہ حیات انسانی پر بحث کی ہیں ان کے اور دیگر عام لوگوں کے اس بارہ میں مختلف خیالات ہیں کہ انسان کی زندگی کا اعلیٰ مقصد کیا ہے ٭

کوئی کہتا ہے جس انسان کو خوشی حاصل ہے وہ اعلیٰ مقصد پر فائز ہے کوئی کہتا ہے اعمال دنیوی کی ڈگری پانا اعلیٰ مقصد ہے کسی کے خیال میں حکومت کا وارث بننا اعلیٰ منشا ہے کوئی کہتا ہے انصاف کرنا اور مخلوق کا اُس سے بہ رحم دلی پیش آنا اعلیٰ غرض ہے ٭

کوئی کہتا ہے خدا پرستی اور عبادت اللہ اعلیٰ منشا اور خلاصہ زندگی ہے۔ کسی کی رائے میں قومی ہمدردی اور ملکی دلسوزی غرض اعلیٰ ہے ٭

بعض کے خیال میں جس جس طرف زندگیوں کا میلان اور رجحان ہو وہی ان کی اعلیٰ غرض اور اعلیٰ منشا ہے ٭

واقعی بحث کے میدان میں آکر یہ سوال کہ انسان کی زندگی کا اعلیٰ منشا کیا ہے بہت ہی ادق اور پیچدار ثابت ہوتا ہے اور ابتدائی نظروں میں نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری زندگیوں کا اعلیٰ منشا کیا ہونا چاہئے۔ بعض حکیموں نے یہ بحث بھی کی ہے کہ ہر ایک انسان کی زندگی کی اگرچہ کئی غرضیں جداگانہ ہوتی ہیں لیکن کل نوع انسان کی زندگیوں کی ایک غرض مشترکہ بھی ہے جو غرض مشترکہ کل نوع انسان کی ہے وہی غرض ہر ایک انسان

کی منفردانہ زندگی کا اعلیٰ مقصد ہونا چاہئیے۔

اس بحث کے سلسلہ میں یہ مشکل حائل ہوگی کہ کل نوع انسان کی زندگیوں کی غرض مشترکہ کیا ہے اور کیونکر ایک غرض مشترکہ تمام مجموعہ عالم کی ہو سکتی ہے۔

ہماری راستہ میں جن لوگوں نے یہ اور راہ اختیار کی ہے وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے اگر ہم اس امر کو تسلیم کر بھی لیں کہ تمام نوع انسان کی زندگیوں کی درحقیقت ایک ہی غرض مشترکہ ہر ایک زندگی کا اعلیٰ مقصد ہو سکتی ہے تو اُس حالت میں بھی نہیں یہ کہنا پڑیگا کہ تمام نوع انسان کی غرض مشترکہ کا وجود معدوم ہے ہم فرضاً اس امر کو مان لیتے ہیں کہ مجموعہ حیات نوع انسان کی ایک غرض مشترکہ ہے لیکن یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ وہی غرض مشترکہ ہر ایک انسان کی منفردانہ زندگی کا اعلیٰ مقصد بھی ہے

۔ اشکال اس واسطے عاید ہوتا ہے کہ اس غرض مشترکہ کے وجود کا بھی جاننا کیا جانا مشکلات عاید کرنے کے بغیر نہیں رہتا۔

جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ تمام نوع انسان کی زندگیوں کی غرض مشترکہ کیا ہے تو اس سوال کا جواب قریباً انہیں الفاظ میں ملنے کی امید کی جا سکتی ہے کہ جس کو ہم نے مختلف اقوال بالا میں فرداً فرداً ظاہر کیا ہے اس حالت میں بھی کوئی کہیگا کہ نوع انسان کی غرض مشترکہ یہ ہے اور یا یہ ہونی چاہئیے۔

اس سوال کے حل کرتے وقت ہمیں اور سب کو چھوڑ کر سب سے اول انسانی زندگیوں کے میلانوں اور رجحانوں کو دیکھنا چاہئیے اور اُن میں سے اُن میلانوں اور رجحانوں کو جدا کر دینا چاہئیے کہ جو نوع انسان کی عام صداقتوں اور صدقہ واقعات سے جدا اور مخالف ہوں۔

جو میلان اور جو رجحان صداقتوں کے سلسلہ میں منسلک ہوں ان کو ایک مجموعی صداقت قرار دیا جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ انسانوں کے مجموعہ زندگی کا یہ ایک لب لباب ہے اور اسی مجموعہ صداقت کی نسبت یہ خیال کیا جاوے کہ وہی ہر ایک انسان کی زندگی کا اعلیٰ مقصد اور اعلیٰ غرض ہے تمام نوع انسان کی زندہ اور مُردہ صداقتیں اور مسلمہ واقعات جن میں مذہب۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ سائنس اور تجربی نظایر

بھی شامل ہیں۔ ایک راہ دکھاتے اور ایک منزل پیش کرتے ہیں۔ اُس منزل پر پہنچ جانا اور اُس منزل کی راہ اختیار کرنا ایک اعلیٰ شے ہے۔ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں ایک پہلو میں صداقتیں اور مسلمات نوع انسان مانے جاتے ہیں اور دوسرے میں نواطل زندگی اور وہ واقعات کہ جنہیں نوع انسان نے متروک کر رکھا ہے پہلی تصویر انسان کی زندگی کا اعلیٰ نقش ہے اور دوسری وہ کہ جو اُس کے کمالات سے منافی اور روحانی وجسمانی عروج کے مخالف ۔

اگر قومی ہمدردی نوع انسان کے ارادوں اور مسلمات کے موافق ہے تو وہ ایک اعلیٰ شے ہے اور اگر خدا پرستی نوع انسان کی صداقتوں میں داخل کی گئی ہے تو وہ بھی ہماری زندگی کی اعلیٰ غرض ہے۔ اگر حکومت اور اقبال پر اترانا اور اُس کو اپنی قیمتی زندگی کا ذخیرہ اور پیش بہا سمجھنا نوع انسان کی صداقتوں میں بری نگاہوں سے دیکھا گیا ہے تو درحقیقت اسے زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دینا ایک خطرناک غلطی ہے۔

اگر کفران نعمت اور ترک سلسلہ علت العلل نوع انسان کے مجموعی فتویٰ کے منافی ہے تو اُس کا اختیار کرنا اور اُس کی تصدیق کرنا واقعی صداقت سے بعید اور مقصد زندگی سے کوسوں دور ہے۔

موجودہ عالم کے چند طینتوں کے فکر اور اجتہاد کو تمام نوع انسان کا مجموعی دعویٰ نہیں کہا جاسکتا اگر چند اشخاص اس نامبارک اور شرم دلانے والی راہ میں جارہے ہیں تو اُن کا نقش قدم دنیا کی تمام زندہ اور مردہ صداقتوں اور مسلمات اور [illegible] کو ملیامیٹ نہیں کرسکتا

بعض وقت انسان ایک بُرائی کی تقلید کرتا اور اُس کا عامل ہوتا ہے لیکن اُس کا دل اُس پر شہادت نہیں دیتا اور وہ خوب جانتا ہے کہ گمراہی کی پیروی کر رہا ہے ایسے ہی تمام نوع انسان کے وجود مجموعی کی نسبت اگر بعض قومیں اپنی نافہمی کی جہت سے بعض غلطیاں کریں تو اُس کا یہ نتیجہ یا یہ اثر نہیں ہونا چاہئے کہ اُس مجموعہ کی دیگر صادق قوتوں کے عمل اور فعل کو خلاف صداقت اور خلاف واقعہ سمجھا جاوے

جس دروازہ سے نوع انسان کا مجموعہ منزلِ مقصود کو جاتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے اُس کے مبارک پھاٹک پر جلی قلم سے لکھا ہے کہ اس مجموعہ نوع انسان نے ان ان باتوں اور ان ان عملوں کو صداقت مانا ہے اور ان ان کو صحیح مطالعت اس پھاٹک کی جلی بیتابی پڑھو اور اُس پر غور کرکے اندر چلے جاؤ پھر تمہیں اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد مل جاویگا اور تم جان جاوگے کہ ہمیں اس سفر میں رہ کر کن کن باتوں پر عمل کرنا چاہئے اور کن پرہیز اور ہماری منزلِ مقصود کس قدر دور ہے اور اُس تک جانے کے لئے کس کس سامان اور کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ اگر نیکی کرنا۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور مروت سے پیش آنا اپنی قوم کو چاہنا اور اس پر فدا ہونا اور اُس کی عزت کرنا انسان کے ساتھ رحم دلی برتنا نیکیں اور مصیبت زدوں سے دلسوزی کرنا خدا پرستی اور خدا شناسی مذہب پرستی اور مذہب شناسی نیکیاں اور خوبیاں و نیکیاں خیال کی جاتی ہیں اور نوع انسان کے مجموعہ نے مختلف طریقوں سے ان امور کو صداقتوں میں داخل کرلیا ہے تو جان لو کہ یہی امور ہماری زندگی کا اعلیٰ متن اور ہمارے سلسلۂ حیات کا اعلیٰ جزو ہیں ۔

تعجب

سارے عقدے اک توجہ نے مرے حل کردئے
پیشوائے منزل مقصود ایسا چاہئے

مختلف زبانوں کی ڈکشنری میں بہت سے ایسے الفاظ پائے جاوینگے کہ جو اپنی ظاہری ترکیب اور معانی یا مفہوم کے اعتبار سے چنداں تعجب خیز نہیں سمجھے جاتے لیکن جب اُن الفاظ کو علمی نگاہوں سے دیکھا اور اُن کے وسیع معانی پر غور کی جاوے تو غور کرنے والوں پر کھل جاویگا کہ وہی سادہ الفاظ ہماری ڈکشنریوں کا کا زیور اور ہمارے علمی ذخائر یا معلومات کا فخر ہیں ۔

جن الفاظ کے بولنے اور اطلاق سے ہمیں کبھی کبھی حیرت اور تعجب نہیں ہوتا

اور جو ہمارے روزمرہ کی بول چال میں کئی دفعہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہی الفاظ اپنے اندر روح میں اس قسم کی حیرت انگیز طاقت اور مخفی اثر رکھتے ہیں کہ اُن کی بدولت انسان کو اس قسم کے قیمتی معلومات کا ذخیرہ ملا ہے کہ گویا اس لحاظ سے اُن عام الفاظ کو کلید العلوم کہا جا رہا ہے

جس طرح بہت سے قدرتی مواد اور قدرتی حرکات اور تصرفات غور کرنے کے بعد قیمتی معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً نیوٹن کی تحقیقات سے پہلے ہر روز صدہا لوگوں کے سامنے سیب درخت سے زمین پر گرا کرتے تھے اور اس عمل کو نیوٹن کی دریافت تک ایک معمولی عمل خیال کیا جاتا رہا لیکن نیوٹن کے ذہن رسا اور قوت متخیلہ نے اسی معمولی عمل سے کشش ثقل کا سود مند اور علمی مسئلہ اس خوبی سے استدلال کیا کہ آج اُس کو بھی علمی ضروریات میں سے ایک بڑی بھاری ضرورت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ ہمارے معمولی الفاظ اور اُن معمولی الفاظ کے معمولی معانی سے کبھی بعض اوقات بڑی بڑی علمی مشکلات حل ہوتی ہیں ؎

مختلف زبانوں کی بول چال اور ڈکشنریوں میں تعجب بھی ایک ایسا لفظ ہے کہ جو اپنے مخفی اثر اور حیرت ناک معانی یا حالت کے لحاظ سے کلید العلوم اور مفتاح العقول ثابت ہو چکا ہے ؎

یا یوں کہو کہ بقول بعض فلاسفروں اور حکیموں کے تعجب یا حالت متحیرہ سے ہی اکثر حکمتوں اور اکثر کیفیات علمیہ کا انکشاف ہوا ہے۔ اور یہی ایک حالت یا کیفیت ہے کہ جو سوچنے والے دماغوں اور غور کرنے والے دلوں کو علمی ساحل پر نہایت سلامتی سے پہنچا کے آئی ہے:

کیوف علمیہ اور حقائق حکمیہ کے انکشاف اور تحلیل کے واسطے اسباب معاونہ اور تاثیرات ساریہ کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے جب تک ایسے اسباب اور ایسی تاثیرات کا وجود ظہور پذیر نہ ہو تب تک سبیل انکشاف نہیں کھل سکتی

حکیموں اور فلاسفروں نے چند دلاویز بحثوں کے بعد مان لیا ہے کہ تاثیرات ساریہ یا اسباب معاونہ میں سے تعجب اور حالت تعجب بھی ایک حالت منکشفہ ہے

فلاسفروں اور حکیموں کی علمی اصطلاح میں تعجب کو ام العلوم اور بنت الجہل سے موسوم کیا گیا ہے۔

افلاطون اور پلوٹارخ کے نزدیک تعجب ایک تاثیر فلسفی ہے اور اُن کے خیال میں یہی تاثیر تمام علوم حکمیہ کا ایک سبب عظیم ہے۔

حکیم کول رِدج کا قول ہے کہ فلسفہ تعجب سے ہی شروع ہوتا ہے اور تعجب پر ہی جا کر اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

بیکن کے نزدیک تعجب حکمت کی غایت ہے۔

بو علی سینا کے خیال میں تعجب اُن راہوں میں سے ایک راہ ہے کہ جو حکمت کی طرف جاتی ہیں۔

دیکارٹ تعجب کو ایک ابتدائی رہبر قرار دیتا ہے۔

تعجب کی کیفیت

اور

حدوث اور اس کا غایت حکمت ہونا

یہ سوال کیا جاویگا کہ۔

(الف) تعجب کیا ہے۔

(ب) وہ کیوں یا کیونکر پیدا ہوتا ہے۔

(ج) کس دلیل سے کہا گیا ہے کہ وہ غایت حکمت ہے یا اُس سے منزل حکمت کی راہیں کھلتی ہیں۔

(۱) جب انسان ایک ایسا واقعہ ایک ایسی حالت ایک ایسا سماں ایک ایسی کیفیت کو دیکھتا یا ایک ایسی کیفیت کو سنتا ہے کہ جو اُس نے پہلے کبھی دیکھی یا سنی نہیں یا جس میں کوئی حیرت خیز واقعات پائے جاتے ہوں اور اس کے فہم و ادراک سے اُس کی معمولی سمجھ یا موجودہ معلومات قاصر ہوں تو اس کا دل اور مادہ

عقل مایوس اور مضطرب سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

اور یہ حالت اسی حالت میں پیدا اور طاری ہوتی ہے کہ جب ایسے واقعیا ایسی کیفیت میں کوئی جدت طاری ہو جب ایسی حالت اور ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے تو انسان کے دل و دماغ میں مختلف خیالات کا ہجوم ہونے لگتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو ایک اضطراب اور بے چینی میں پاتا ہے۔

(۲) یہ سوال کہ ایسی حالت پیدا کیوں ہوتی ہے اگرچہ قصہ طلب جواب کا متقاضی ہے مگر مختصراً کہا جاویگا کہ قدرت کی جانب سے جہاں انسان کو قوت علمیہ بخشی گئی ہے اُس کے ساتھ ہی اکثر امور میں جہل بھی دیا گیا ہے۔ یا یوں کہو کہ علم کے ساتھ کیفیت جہل بھی موجود ہے۔

چونکہ ان واقعات یا اُن کیفیات سے جو جدت کی صورت میں پیش ہوتی ہیں قوت مدرکہ یا مادہ تعقل بالفعل عاجز اور قاصر رہ جاتا ہے اور اُن کو اپنے پیش آمدہ کا جہل مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی اُن کے حل پر قادر ہو سکتا ہے اس واسطے وہ حالت اضطرار اور بے چینی کو لئے ہوئے ایک حیرت ناک سماں پیدا کرتی اور اُن سب واقعات کو ایک طلسم کی صورت میں لاکر دکھاتی ہے۔ بعض حکیموں نے جو تعجب یا حالت تعجب کا نام ست الجہل رکھا ہے یہ ایک موزوں نامزدگی ہے دراصل تعجب انہیں معاملات میں صورت پذیر ہوتا ہے کہ جو بوجہ مجہول الکیفیت ہونے کے ادراک و تحلیل سے دور جا پڑے ہیں خلاصتاً یہ کہا جاویگا کہ جن امور کے کوائف مرتبہ یا مسموعہ یا محسوسہ سے انسان جاہل ہے انہیں سے حیرت اور تعجب پیدا ہوتا ہے۔

(۳) بیکن نے جو تعجب کو نہایت حکمت اور دیگر حکماء نے ام العلوم کہا ہے گو اس میں کچھ مبالغہ ہو جیسے کہ بعض مخالف حکیموں نے بیان کیا ہے۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت تک جس قدر علوم حکمیہ کی بنیادیں رکھی گئی ہیں اور جنہیں علوم کا سرتاج اور انسانی معلومات کا عطر کہا جاتا ہے ان میں سے بعض کا سرچشمہ یہی تعجب ہے۔

تعجب ہی وہ تیز رو اشہب ہے کہ جو طائر خیال کو افتاں و خیزاں وادیٔ حکمت اور منزل ادراک پر جا پہنچاتا ہے تعجب ہی ایک ایسی طاقت ہے کہ جو اضطرار اور بے چینی کا مارا لئے اُس نامعلوم کوچوں میں جا پہنچاتا ہے کہ جن کا پہلے نشان تک نہیں تھا۔

جب زمین پر معمولاً سیب گرا تو نیوٹن کو کون چیز یا کون طاقت مسئلہ کشش ثقل تک لے گئی وہی تعجب جسے دنیا معمولی حالت سمجھتی ہے۔ جب انسان کو ایک علت اور معلول کے قانون کی تشریح میں حیرت اور تعجب نے گھیرا تو اس حیرت اور تعجب سے انسان ایک علت غائی یا علت اولیٰ تک پہنچ گیا اور اُس کو یہ اوّل مسئلہ مل گیا کہ ان سب علل کی ایک علت غائی یا علت اولیٰ قادر مطلق ہے۔

ریل- تار برقی- فونوگراف- ٹیلیفون فوٹوگرافی وغیرہ وغیرہ مفید صنعتیں جو ہیں وہ سب دنیا کا زیور اور زندگی کی ضروریات بن رہے ہیں تعجب کی بدولت ہی نکلے ہیں تعجب کی وجہ سے ہی روز بروز طبیعتیں ان تک پہنچی ہیں اگر ان طبیعتوں میں تعجب کی ترقی نہ ہوتی تو یہ ایجادات نہ ہوتیں۔

حکمت کی کتابوں میں یہ فقرہ نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ "تعجب فلسفہ کے سلسلہ ترقی سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ کہ حکماء کی توجہ پہلے پہل انہیں فلسفی مضامین کی طرف ہوئی جو زیادہ تر تعجب انگیز اور حیرت خیز تھے" طبیعت مقابلتاً جہل رکھتی ہے جہل موجب تعجب ہے پس ہر طبیعت میں تعجب کی حالت یا کیفیت پائی جاتی ہے۔

اس کیفیت سے انسان کے دل میں ایک بے چینی یا ایک شوق ادراک پیدا ہوتا ہے اور یہ شوق یا بے چینی انسان کو ادراک کی آخر منزل تک لے جا سکتی ہے۔

تعجب ہے کہ لوگ اس تعجب سے کام نہیں لیتے ایک شے کو مجہول الکنہ یا مجہول الکیفیت مان لیتے ہیں۔ اور طبیعت میں ایک خوشی دیکھتے ہیں لیکن بے سمجھی سے اپنی طبیعت کو روک کرتے ہیں اور تعجب کو بے ہمتی کے گڑھے میں ہمیشہ کے لئے گرا دیتے ہیں۔

ہم کیوں علمی گھوڑ دوڑ میں پیچھے رہے جاتے ہیں اور کیوں ہماری طبیعتوں میں حرکت اور رضا پیدا نہیں ہوتی۔ صرف اس واسطے کہ ہم اپنی قوتوں اور طاقتوں سے کام لینا نہیں جانتے۔ اور نہ ہمیں معلوم ہے کہ قدرت نے ہمارے دلوں میں کیا کچھ ودیعت کر رکھا ہے۔

جس طرح دنیا کی اور قومیں طبعی قوتوں کو ٹھیک اندازہ پر چلاتی اور اُس سے قومی ملکی فائدوں کی صورتیں نکالتی چلی جا رہی ہیں وہی طریقہ ہر قوم کے افراد کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت واعظ نہ ایسا وقت ہاتھ آئے گا پھر
سب ہیں بے خود تم بھی پی لو کچھ اگر شیشہ میں ہے

غم و خوشی

رنج و راحت گیتی مشو خنداں مرنجاں دل
کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

کون ہے جس کی یہ خواہش نہیں کہ وہ ہمیشہ خوش رہے اور غم اُس کے پاس بھی نہ آوے۔ کون ہے جو غم کو پسند کرتا ہے کون ہے جس کا دل غم سے ڈرتا اور خوشی سے فارغ نہیں ہوتا۔

بہتوں کی زندگی اسی امید اور اسی حسرت میں گذر گئی کہ وہ خوشی کے مالک ہوں اور غم اُن سے کوسوں دور رہے۔ بہتوں نے فرطِ الم سے خودکشی کی اور اپنی دانست میں غم کی دست برد سے رہائی پا گئے۔

بہتوں نے ایسی پیش بندیاں کیں کہ غم اُن کا پیچھا نہ کرے مگر پھر بھی وہ محفوظ نہ رہ سکے۔

غم ہمیشہ انسان کے دل پر اثر کرتا ہے اور خوشی بھی اسی مسکن میں بسیرا کرتی ہے جب تک دل اور حواس اور دماغ میں محسوس کرنے کی طاقت اور آنکھوں میں بینائی اور کانوں میں شنوائی۔ اور دیگر اعضاء میں لمس اور حس ہے جب تک غم اور خوشی

دونوں کبھی نہ کبھی موثر ہوتے ہی رہیں گے۔

یا یوں کہو کہ جب تک انسان دنیا میں ہے تب تک ان بکھیڑوں سے اسے نجات کیونکر مل سکتی ہے۔

غم اور خوشی کی مقدار یکساں نہیں ہے اس کی مقدار رشتہ۔ تعلقات اور واقعات کے مقدار پر موقوف ہوتی ہے اور اسی طرح پر اس کے اثروں میں بھی بلحاظ طبائع اور دل و دماغ کی مختلف ساختوں کے فرق پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں پر ایک بکرے کا ذبح کیا جانا بھی ایک صدمہ اور ہول پیدا کرتا ہے۔ لیکن جلاد ور پھانسی دیتے ہیں پھر بھی اُن کے دلوں پر جیسا اثر نہیں ہوتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ غم اٹھاتے اٹھاتے انسان کا دل کٹھن اور آنکھیں خشک ہو جاتی ہیں نہ تو دل میں درد پیدا ہوتا ہے اور نہ بے رحم یا مایوس آنکھوں میں اشک سوز یہ سچ ہے مگر درد پیدا اور ضرور ہوتا ہے پر اس کا محسوس ہونا نہ ہونا واسطہ اور تعلقات کی مقدار پر منحصر ہے شاید کوئی ہی انسان ہوگا کہ جو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر نہ کہہ سکتا ہو کہ وہ غم سے ہمیشہ خالی رہا ہے۔

ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ بعض انسانوں کو اگرچہ غم ہوتا ہے مگر وہ اس کا یا تو اظہار کم کرتے ہیں اور اس کے دفعیہ میں کامل ہوتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جاویگا کہ اُن کو غم نہیں ہوتا ہے۔

اگر انسان کو خوشی نہ ہو تو وہ اپنی طبیعت کو امید میں لگا سکتا اور زندگی گذار سکتا ہے لیکن غم کا ہونا طبیعت کے واسطے ایک گھن ہے جو ہر وقت تمام طبیعت کو کھائے جاتا ہے۔

خوشی اور غم سے کسی انسان کو مفر نہیں ہے خوشی انسان خود چاہتا ہے اور غم خود بخود ہی گرد ہو جاتا ہے۔ خوشی سے لوگ اتراتے اور دل و دماغ کو تازہ اور معطر کرتے ہیں اور غم سے اپنے آپ کو مایوس بناتے اور کڑھتے ہیں۔

انسانی زندگی کے واسطے یہ دونوں حالتیں اخیر پر ایک سی حال اور ہمیشہ جیسے ہیں۔

حکیموں نے کہا ہے۔ انسان کو خوشی اور غم دونوں میں وہ خیال اختیار کرنی چاہئے کہ جو اُس کے دماغ اور دل پر بُرا اثر نہ کرے۔

ایک حکیم کہتا ہے۔

"خوشی اور غم سے کوئی مفر نہیں ہے لیکن ہمیں ایک ایسی سود مند راہ نکالنی چاہئے کہ جو اُن کے بُرے اثروں سے محفوظ رکھ سکے"۔

وہی حکیم کہتا ہے۔ دنیا اور دنیا کے تمام واقعات اور حالتیں تغیر پذیر ہیں کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ۔ ہم جانتے کچھ ہیں اور ہو کچھ جاتا ہے ہم مانگتے کچھ ہیں اور ملتا کچھ ہے۔

اگر انسان اپنی حالت پر غور کی نگاہ کرے تو اُسے معلوم ہو جاوے گا کہ اس کے اپنے بدن میں ہی جو اس دنیا کے ذرات میں سے ایک چھوٹا سا ذرہ اور اجمالی فرد ہے کس قدر تغیرات ہیں اگر انسان اپنی عمر کے ہر ایک سال کا فوٹو رکھتا رہے تو اُسے کہنا پڑے گا کہ اُس کی ظاہری شکل میں بھی کس قدر تغیر ہوتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ اُس کے خیالات اور ارادوں میں جو کچھ لگاتار ترمیمیں اور تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اُن سے کھلا پتا ہے کہ خود اُس کے بدن میں ہی کس قدر مد و جزر ہوتا رہتا ہے۔

ایک طرف تاریخیں رکھو اور ایک طرف زندہ اور مردہ واقعات اور پھر کہو کہ اس دنیا اور چند روزہ کارخانہ میں کیا کچھ اودھم مچ رہی ہے۔ اگر یہ لازمی تغیرات ہمارے اپنے اختیار میں ہوں تو شاید ایسی مایوسی نہ ہو مگر افسوس اور حسرت تو یہ ہے کہ اِن کا کوئی حصہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہے ہر فرد کے واسطے ایک جدا داستان ہے اور ہر لمحہ کے لئے ایک جدا سماں۔

جب ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں تو کسی فرد اور کسی ہستی کو بھی اُس الٹ پلٹ اور تغیر و تبدل سے خالی نہیں پاتے اور نہ ہی اس کش مکش سے کوئی محفوظ نظر آتا ہے جاندار تو جدا رہے بے جانوں پر بھی وہی ہاتھ صاف ہوتا ہے جو جانداروں کی صفائی کرتا ہے۔

قدرت کی یہ حالتیں اور یہ حرکتیں ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ دنیا کا لازمہ ایک

ہی شکل پر نہیں رہ سکتا اس کو اس طرح پر رکھا گیا ہے کہ وہ ہر ایک دقت کا ہر ایک آن میں ادلتا بدلتا رہتا ہے۔

گھڑی کیا ست میں قابل حیرت تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے رہتے ہیں جس معاملہ کو لے لو وہی کہدیگا کہ میں کبھی بھی ایک حالت اور ایک شکل پر نہیں رہ سکتا۔

دنیا کی عمر خواہ کتنی ہی کم یا زیادہ قرار دے لو مگر تاریخ ثابت کر رہی ہے کہ اس میں اس قدر تغیرات ہو رہے ہیں کہ انسان سن سن کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔

نہ تو خوشی کا مقام ہے اور نہ غم کا مقام ہے ایک آتا ہے اور دوسرا جاتا ہے۔ کبھی خوشی ہے اور کبھی غم۔ کبھی شادمانی اور کبھی صورت الم۔ کبھی یہ اور کبھی وہ کیا تم کوئی ایسا گھرانا یا ایسا شہر دکھا سکتے ہو کہ جو ان تغیرات سے پاک اور خالی ہو۔ کیا کہہ سکتے ہو کہ دنیا کی چار دیواری میں کوئی ایسا بھی احاطہ ہے کہ جہاں ناگوار اور خوش آیند ہوائیں نہ پہنچی ہوں +

"نظر غور گر دیکھو تو نقشہ ہی دگرگوں ہے"
"کمی ہے جس جگہ کل وہاں پر آج افزوں ہے"
"تغیر اور تبدل ہے زبان حال سے کہتا"
"نہ حق اہل دنیا سلسلہ اپنا یہ موزوں ہے"

وہ کون دل اور وہ کون دماغ اور وہ کون چار دیواری ہے کہ جہیں خوشی کی حکومت ہو کر غم کی دست برد نہ ہوئی ہو۔ یا غم کی حکومت پر خوشی نے جھاڑو نہ پھیر دیا ہو تم دماغ اور دل کی حد کو کٹھریاں یا کمرے قرار دیکر دیکھو کہ ان میں سے کیسے کمرے خوشی سے آباد ہیں اور کتنوں میں غم کے ڈیرے لگے ہوئے ہیں۔ اور تمہاری اپنی عمر میں ہی کتنی دفعہ تمہارے دل اور دماغ میں خوشی کی بادشاہت کا پھریرا اوڑا گیا ہے اور کتنی دفعہ غم نے یورشیں کی ہیں تم کہہ سکتے ہو ایک حالت کبھی قایم رہی ہے۔

جب تمہاری اپنی حالت ردی ہے اردگرد کے واقعات کا یہ حال ہے تو پھر کیا تم نے سوچا بھی ہے کہ تمہاری زندگی کے واسطے کوئی ایسی محفوظ منزل بھی ہے کہ تم اس

دونوں سے کسی نہ تو دلدادہ ہو اور نہ ہی گرویدہ تم نے یہ معلوم کر لیا ہو گا کہ ایک کی حاضری
اور دوسرے کی فوت کی آمد آمد تمہیں دم بھر یا ساری عمر کے لئے کیسا تنگ اور کس قدر کبیدہ
خاطر بنا دیتی ہے تم نے خود دیکھا اور آزمایا ہو گا کہ تم خوشی سے کبھی تو آسمان سے بھی زیادہ تر
بلند اور شکر ہو جاتے ہو یہاں تک کہ اپنے آپ میں ہی نہیں رہتے اور غم کے آنے سے
تمہاری وہ حالت ہو جاتی ہے کہ جان جیسی عزیز شے کو بھی خودکشی کر کے گنوا دینا ایک
معمولی بات جانتے ہو۔

یہ دو حالتیں تمہاری کیوں ہو جاتی ہیں صرف اس واسطے نہیں کہ یہ خوشی اور غم
دائمی تم پر مستولی اور غالب ہو جاتے ہیں بلکہ اس واسطے کہ تم نے اپنی سمجھ کی غلطی سے
اب تک ان دونوں حالتوں کو مستقیم الحالت اور غیر متغیر جان رکھا ہے اور تمہارا عقیدہ
ہے کہ جو خوشی آتی ہے اُسے واپس نہیں جانا چاہئے اور جو غم آتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے
اگر تم یہ سمجھ لیتے کہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی استقامت نہیں ہے تو شاید تمہاری
ایسی بُری گت نہ بنتی جب یہ یقین کر لیا جاوے کہ یہ دونوں حالتیں آنی جانی
اور مستقیم اور زوال پذیر ہیں اور واقعات یا معاملات کی حالت ہمیشہ یکساں
نہیں رہتی ہے اور ضرور ایسا ہوتا رہیگا تو پھر تمہارے دل میں خود بخود ہی تسلی
اور استقامت کے سامان پیدا ہونے لگیں گے۔

جب خوشی ہو تو اُس پر نہ گھمنڈ کرو اور نہ ہی اتراؤ اور نہ ہی اس کو لازوال
سمجھو۔ جب غم کی آمد آمد ہو تو اُس سے بھی مردہ دل نہ ہو جاؤ گو طبعاً خوشی اور غم دونوں
تمہارے رگ و ریشہ پر غالب اور موثر ہونگے مگر آخر سمجھدار ہو تمہاری دل شکنی اور
بے چینی اور اضطراب سے ہوتا کیا ہے یہ سب حرکات لغو ہیں دنیا میں کیا کچھ
نہیں ہوتا ہے ایک حالت آتی اور ایک جاتی ہے۔

ہم سب پر ایک اعلیٰ طاقت ہے جسے ہم اپنے اپنے خیالات اور دلوں میں قادر
مطلق اور محیط کل سے تعبیر کرتے ہیں اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے
جب ہمارے سب معاملات میں اُس کا دست غیب شامل اور وہ خود اس میں دخیل
ہے تو پھر اس قدر اضطراب کی ضرورت کیا ہے جو لوگ خوشی کے وقت زیادہ تر اترانے

اور فخر کرتے ہیں انہیں جب غم ہوتا ہے تو اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے لہٰذا اتنی خوشی نہ کرو کہ غم ہونے پر صبر ہی جاؤ - اور کیوں اس قدر رنج کرتے ہو کہ بس اُسی کو اپنا خدا سمجھنے لگ جاتے ہو۔

خوشی کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور غم کو اس کی نظر میں خیال کرو اور دونوں کو مضبوط رکھو۔ جو خوشی بھی چند روزہ ہے اور غم بھی گذر جانے والا ہے روح اور دل و دماغ پر ہر قسم کی ہوائیں چلیں گی تدبیر اور صبر و شکر سے ان کا مقابلہ کرو۔

خوشی دوامی نہیں ہے کہ اس پر تم اترا جاؤ تم اپنے ہی خاندان اور کنبہ میں نظر کر کے دیکھو کہ کس قدر خوشیاں آئیں اور ان کا نتیجہ کیا ہوا کہ ان میں سے اب کوئی باقی بھی ہے۔

اگر تم غم میں صبر اور شکر نہیں کر سکتے ہو تو کیا تمہارا ارادہ نعوذ باللہ خدا سے لڑنے کا ہے

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

ہر وقت اُس کے فضل و کرم کے امیدوار رہو۔ اور اُسی سے دعا کرو کہ وہ تمہاری حالت پر فضل و کرم کرے اور تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

زبان

"گندی زبان زبان نہیں بلکہ زیاں ہے"

"بہتر ہے اس زباں سے ہم بے زباں ہوں"

انسانوں اور مطلق حیوانوں کی تفریق میں جہاں اور امتیازات بیان کئے جاتے ہیں وہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان بمقابلہ اور حیوانات کے بالقوۃ طاقت نطق اور قوت لسانی رکھتا ہے۔

گو کوئی انسان گونگا ہو مگر اُس میں قوت نطق درحقیقت موجود ہے اگر وہ بالفعل بول نہیں سکتا تو یہ کسی عارضہ کا اثر ہے۔

دیگر حیوانات میں طبعاً ہی طاقت نطق نہیں ہوتی گو انہیں بھی زبان حاصل

ہے مگر اُس میں وہ قوت اور وہ جوہر نہیں ہے جو انسان کی زبان میں ہے۔ زبان بظاہر انسان کے منہ میں ایک چھوٹا سا مخروطی شکل کا ٹکڑہ گوشت ہے مگر در اصل اس قلیل الحجم ٹکڑہ گوشت کی قیمت سب ہی بھاری ہے اور اسی پر انسان کی انسانیت اور زندگی کا بہت کچھ مدار ہے۔

اس کی قدر اُن لوگوں سے پوچھنی چاہیئے کہ جن کو قدرتاً زبان حاصل ہے مگر وہ کسی عارضہ کے سبب اس سے کام نہیں لے سکتے اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ وہ کوئی دو گھنٹہ تک اپنی زبان بند رکھے تو اسے زبان کی آزادی کی قیمت معلوم ہو جاوے گی

اگر انسان کی زبان میں آزادی طلاقت نہ ہوتی تو اُس میں اور حیوانات میں کوئی فرق نہ ہوتا زبان ہی کی بدولت دنیا کے بڑے بڑے کاروبار چل رہے ہیں اور زبان سے ہی ہر ایک اچھائی اور برائی کی ابتدا ہوتی ہے۔

دل و دماغ میں خیالات پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں اور زبان اُن کی وکالت کرتی اور انہیں پردۂ قلب سے نکال نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔

دل میں اگرچہ کیسے ہی عمدہ اور اعلیٰ خیالات کا ذخیرہ موجود ہو اور اُن کی نشوونما کیسی ہی [illegible] سے ہوتی ہو مگر زبان اُن کے اظہار پر قادر نہ ہو تو اُن کی کیا قدر ہو سکتی ہے یا اگر قادر ہو کر صداقت اور ایمانداری سے اظہار نہ کرے تو انہیں کون عمدہ اور نفیس کہہ سکتا ہے۔ انسان نے تحریر کے ذریعہ سے بھی اظہار خیالات کا ڈھنگ نکالا ہے۔ مگر در اصل یہ طریقہ بھی زبان نے ہی ایجاد کیا ہے اور یہ اُسی کی حکمت عملیوں اور طرز کا عکس اُڑایا گیا ہے۔

گو زبان نے بطرز دیگر اپنے فرض کو ادا کیا ہے اور اگرچہ زبان بھی اس کو تحریری طرز زبان سے نرالا جانتی ہے تو پھر بھی یہ کہنا پڑے گا کہ زبان کے فرائض کے مقابل میں قلم اور سیاہی کا عہدہ برآ ہونا بہت ہی مشکل ہے۔

قلم نے بھی اسی حالت میں کام دیا کہ جب اُس کو بھی قط لگا کر ہم شکل زبان بنایا گیا آخر یہی کہنا پڑا کہ زبان قلم سے یوں نکلا۔

اگر انسان کی زبان میں طاقت طلاقت نہ ہوتی تو وہ اپنی روزمرہ کی کارروائیاں

اور ضرورتاً بات سے بھی سخت تکلیف میں ہو جاتا۔ گو حیوانات کی طرح اشاروں کنایوں سے کام تو کچھ نہ کچھ چل ہی جاتا مگر اس قدر کمالات اور ترقیات کا جو سلسلہ پایا جاتا اس کا نام بھی نہ ہوتا کوئی الگ کسی کونہ میں بیٹھا ہوتا اور کوئی جدا کسی گوشہ میں الگ ہو جاتا۔ جسے سوشیل حالت کہتے ہیں نہ نام کو بھی۔ ہوتی کیونکہ انسان کی عمدگیوں اور خوبیوں کو اسی حالت میں ترقی ہو رہی ہے کہ جب بذریعہ طلاقت لسان کے خیالات اور قیاسات کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ ہو رہا ہے۔

زیادہ دلائل دینے کی ضرورت نہیں یہ امر واضح تر ہے کہ زبان انسان کے جسم میں ایک ضروری جزو ہے اور اس کی قوت طلاقت ایک اعلیٰ خوبی۔

کوئی ایسا انسان نہیں ہے کہ جس کے منہ میں یہ لال لال زبان نہ ہو کوئی ایسا فرد بشر نہیں ہے کہ جو اس ٹکڑہ گوشت سے حسب دلخواہ کام نہ لیتا ہو یا اس کو ایسی ضرورت نہ پڑے یا اس کی بحالت گونگا ہونے کے یہ خواہش نہ ہو کہ زبان سے طلاقت کا کام نہ لیا جائے۔

زبان سے ہر ایک انسان کام لیتا ہے اور لے سکتا ہے لیکن جس کام کے واسطے زبان بنائی اور انسان کے منہ میں رکھی گئی تھی اس کی فلسفی اور علت پر عام طور پہ اور ہر ایک وقت میں نظر نہیں کی جاتی زبان کو محض ایک بات چیت اور اناپ شناپ الفاظ کے رٹ دینے کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت اور ان معنوں میں زبان کی وہ وقعت اور قدر و منزلت باقی نہیں رہتی ہے کہ جس غرض سے قدرت نے اس کو انسان کے منہ میں رکھا تھا۔

انسان زبان سے دو کام لیتے ہیں ایک بول چال اور دوسرے مشارالیہ دوسری صورت کی نسبت ہم بالفعل ذکر نہیں کرینگے پہلی بات کی نسبت ہمارا خیال ہے کہ زبان چونکہ انسان کے عضوؤں میں سے ایک نہایت ضروری اور شریف عضو ہے اس واسطے انسان کا فرض ہے کہ اس سے کام بھی ایسا ہی لیوے کہ جو پاک اور واجبی ہو زبان اس واسطے نہیں دی گئی۔ ہے کہ اس سے اناپ شناپ بکا جائے یا لوگوں کو صلواتیں سنائی جاویں یا چغل خوری کر کے اس کو گندہ کیا جاوے یا ایک زہریلی چھری

کی طرح اسے دوسروں کی فضول اور احمقانہ نکتہ چینی سے ناحق تیز کیا جاوے۔

زبان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے خدائے کریم کی ستائش میں مصروف رہے اور کم سے کم دن اور رات کے کسی حصہ میں اس فرض سے سبکدوش ہو اس سے بعد اپنوں اور بیگانوں کی بھلائی میں حصہ لے اور وہ بات کرے کہ جو دوسروں پر اچھا اثر پیدا کرے نہ یہ کہ اس کی باتوں سے لوگ بیزار اور متنفر ہوں زبان اس لئے نہیں دی گئی کہ گندے واہیات میں وہ ہر وقت آلودہ رہے اور اُس پر اُنھیں الفاظ کا عبور ہو سکے کہ جو خست میں فرد اور رذالت میں یگانہ ہیں زبان اس لئے عطا نہیں ہوئی کہ اوروں کی غیبت گوئی اور پردہ دری میں مشتاق ہو زبان اس واسطے نہیں ملی کہ بزرگوں اور واجب التعظیم شخصوں کی تحقیر کا مسالحہ جمع کر کر کے معرض بیان میں لا مارے زبان اس واسطے نہیں دی گئی ہے کہ ماں باپ اور بھائیوں اور ہم قوموں کی برائی اور ذلت پر لال لال رہے۔

زبان اس واسطے نہیں دی گئی ہے کہ خدائے لایزال کے انکار پر زور و شور سے بحث کرتی رہے اور ہمیشہ اس فکر میں غرق رہے کہ وجود خدا کی نفی کی جاوے اور دنیا میں الحاد کو پھیلایا جاوے۔ زبان اس غرض سے نہیں ملی ہے کہ ملک و قوم میں نفرت انگیز اور فتنہ خیز مضامین کا اشتہار اور اعلان کرے زبان اس واسطے ملی ہے کہ وہ شیرینی سے ساری دنیا ساری مخلوق سارے دوستوں سارے احباب سارے کنبہ سارے رشتہ داروں ماں باپ کو اپنے قابو میں لاوے اس میں شیرینی کے لحاظ سے ایک مقناطیسی اثر اور خدا کا دیا ہوا جادو ہے۔

اگر زبان میں یہ اوصاف ہیں تو زبان ہے ورنہ زیانِ جاں۔

وہ زبان جس سے اپنے پرائے دکھی ہوں جس سے دوسروں کی چغلیاں ناحق کی نکتہ چینیاں فضول عیب جوئیاں کی جاتی ہوں

جو ہمدردی اور محبت کے الفاظ سے محض معرا ہو وہ زبان نہیں ہے بلکہ منہ میں ایک تیز چھری رکھی گئی ہے جو اپنا بھی خون کر لیتی ہے اور دوسروں کو بھی لہولہان بناتی ہے۔ بہتر ہے کہ اس زبان کو کام میں ہی نہ لایا جاوے جو زبان ہمدردی اور عزت

کے الفاظ نہیں بول سکتی جس میں شیرینی اور ملائمت نہیں ہے وہ انسان کے واسطے ایک شرم دلانے والا مضغہ گوشت ہے۔

انسان اپنے منہ سے بانسری بجاتا ہے اُس میں اس قسم کی رسیلی آوازیں پیدا کرتا اور نکالتا ہے کہ اہلِ دل سُن کر تڑپ تڑپ جاتے ہیں۔ لیکن اس زبان پر افسوس ہے کہ جو بانسری جتنا بھی اپنے الفاظ میں اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ ایک لکڑی تو انسان کی محنت سے پُر درد اور رسیلی بن جاتی ہے اور اُس میں سے جو آواز نکلتی ہے وہ دلوں کو ہلا دیتی اور دماغ پر ایک جنبش لاتی ہے لیکن افسوس کہ خود زبان میں ایسی ملفوظات کی طاقت باوجود طبعی طلاقت ہونے کے پیدا نہ ہو سکے۔

ہماری زبان کیونکر رسیلی اور شیریں ہو سکتی ہے اور اُس کی ہر ایک آواز بانسری کی طرح کیونکر دلاویز ہو سکے۔

صرف اس طرح سے کہ انسان کے دل میں ہمدردی محبت اور درد کے جذبات کا ہجوم ہو اور زبان ان طریقوں سے آشنا ہو جاوے۔

ہمدردی اور محبت دل میں پیدا کرو اور اپنی زبان کو اس سے آشنا بناؤ۔ تب زبان پاکیزہ اور برگزیدہ ہوگی۔

اظہار خلاف حقیقت

ایک واقعہ یا ایک امر یا ایک سرگذشت کا کسی اور طرح اور کسی اور ڈھنگ پر ظاہر یا بیان کرنا اظہار خلاف حقیقت ہے۔ ایک واقعہ یا ایک امر کا ظاہر کرنا یا اس سے انکار کرنا اعتراف حقیقت ہے اور حقیقت الامر کو اور ڈھنگ پر کہنا یا ظاہر کرنا اظہار خلاف حقیقت ہے۔

بہت سی ایسی باتیں اور ایسے واقعات ہیں کہ شخص انسان معمولی طور پر دوسرے پیرایہ میں ظاہر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اس طریق اظہار میں کوئی غلطی نہیں کرتا لیکن اگر حقیقتاً دیکھا جاوے تو وہ اپنے آپ کو ایک خوفناک غلطی میں آلودہ کر رہا ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں اس کو غلطیوں کے ایک ایسے گڑھے میں گرا رہی ہیں کہ جس سے

بہ سلامتی نکلنا مشکل کے قریب قریب ہو جائیگا اظہار خلاف حقیقت کی بُری اور تکلیف دہ عادت ہمیشہ ابتداء میں معمولی باتوں سے شروع ہوتی ہے مگر وہ عادت میں انسان کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ آخر یہ اس کا زہریلا اثر کیسا مہلک ثابت ہوگا۔

ایک عمل کیا یا ایک بات سنی اور اس کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ نقل یا پیش کیا ایک واقعہ دیکھا اور اُس کو اور حالات سے بیان کیا اور یہ کوشش کی کہ سننے والے اس حیثیت سے اُس پر یقین کریں ایسی حالت میں خود بیان کرنے والا یا حاکی یہ نہیں خیال کرتا کہ اس طریق عمل میں کیا کچھ سقم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس طرح بیان میں کسی سمیت آتی جاتی ہے رفتہ رفتہ انسان کا مذاق ہی اس قسم کا ہو جاتا ہے کہ وہ ایسی کتر بیونت اور ترمیمات کے ساتھ واقعات کا اظہار کرنا مناسب اور موزوں خیال کرتا ہے یہاں تک کہ پھر وہ اس عمل کو ایک مناسب ایک عمدگی اور ایک روز مرہ سمجھنے لگ جاتا ہے جس طرح شارٹ ہینڈ کے فن میں اختصار مضامین کی مشق ہو جاتی ہے اسی طرح اس فن میں بھی حقیقت سے خلاف اظہار کی ایک مشق حاصل ہوتی اور ایک عادت پڑ جاتی ہے

اس غلط کاری اور اس سقم کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اس عمل کے شروع میں انسان اس کے مہلک آثار اور خطرات پر غور نہیں کرتا بلکہ اپنے ایسے طریق عمل کو ایک مذاق یا ایک خوبی اور تلخیص مطالب یا تنقیح مضامین اور ترتیب واقعات سمجھتا ہے۔

حقیقت الامر کو چھپا یا یا کم و بیش کر کے ظاہر کرنا واقعی ایک نہایت بیہودہ حرکت ہے انسان خوب جانتا اور خوب سمجھتا ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے حقیقت الامر کے خلاف ہے۔ جو الفاظ اور جو کلمات اُس کی زبان سے نکل رہے ہیں وہ وہ نہیں ہیں کہ جن کی وہ اپنے صحیح دل سے نقل کر رہا ہے جن واقعات کو وہ توڑ مروڑ کر یا الحاقی غیر متعلقہ معرض بیان میں لا رہا ہے اُن میں سے صداقت کا جوہر گم کر دیا گیا یا نکال لیا گیا ہے انسان کا دل اپنے ساتھ ہی تسلیم کرتا جاتا ہے کہ یہ طریق عمل دیانت سے بعید اور امانت سے دور ہے کیا ایسی حالت میں انسان کہہ سکتا ہے کہ وہ اس طریق

عمل سے دل مطمئن ہوتا ہے ہرگز نہیں۔

ایک انسان کی تنخواہ تو مثلاً ۵۰ ہے لیکن وہ اوروں کی نظروں میں اپنے آپ کو زیادہ تر معزز اور محترم ثابت کرنے کے لئے بجائے ۵۰ کے ماہانہ ۵۰۰ بیان کرتا ہے ممکن ہے کہ سامعین پر اُس کی اس لغو بیانی کا اثر ہو لیکن کیا یہ بیان کرتے ہوئے خود اُس کا دل ہی اُس کو شرمندہ نہیں کرتا اور خود اُس کی ناک کٹ ہی یہ کہہ کر بتا رہی ہوگی کہ بس بس تنخواہ میں تو سو کے بعد صرف ۵۰ ہی ڈالے جاتے ہیں ۵۰۰ روپیہ گپ اور لغو بیانی ہے جو شخص کسی اور شاعر سے دو چار اچھے شعر لے کر اپنے نام سے اُن کو چھپواتا اور مشہور کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کیا اُس کی یہ خوشی اور فخر و مباہات سچا ہوگا اور واقعی اس کے دل میں کوئی مسرت ہوگی ہرگز نہیں اُس کا دل اور اُس کا دماغ خود ہی مضطرب ہوگا اور شرمندہ ہو کر ضرور کہیگا کہ ایسے ناعاقبت اندیش شاعر کی زبان جھوٹ کہتی اور لب شرمناک حرکت کر رہے ہیں۔

ایک شخص عربی قوم تو کچھ اور رکھتا ہے اور از راہ فخر کسی اور قوم میں سے اپنے آپ کو شمار کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کیا ایسے جعلساز کا دل شرمندہ نہیں ہوگا اور جب وہ اپنی حرکت کا مآل سوچتا ہوگا تو وہ عرق عرق نہیں ہو جاتا ہوگا اور کیا اس کو یہ سوچ نہ آتی ہوگی کہ اُس کی شرمناک جعلسازی کسی نہ کسی دن کسی مجلس میں ضرور اپنی اصلی رنگت سے ظاہر ہوگی اور قلعی کھل جاویگی۔

جو انسان سنتا کچھ اور کہتا کچھ ہے وہ بددیانتی سے ایک امر واقعہ اور ایک حقیقت کو اور طرح پر بیان کرتا ہے اور بیان کرنے کے ساتھ ہی اس کا دل اُس کو تنبیہ کرتا جاتا ہے کہ تمہاری یہ حرکت ایمانداری اور تقدس کے خلاف ہے کیا اس فعل کی قباحت پر اس سے زیادہ کوئی اور دلیل ہو سکتی ہے کہ خود بیان کنندہ کا دل ہی بیان کرنے کے ساتھ ہی برائی کا نوٹس لیتا اور بیان کنندہ کو شرم دلاتا ہے۔

جو لوگ حقیقت الامر کے انکشاف اور اظہار کامل میں غلطیوں کے عادی ہو جاتے ہیں اُن میں اخلاقی جرأت اور مارل کرج نہیں رہتی اُن کا دل مس اور اُن کی قوت تمیزی بےحس ہو جاتی ہے پھر اگر وہ چاہیں بھی تو تب بھی اظہار حقیقت سے رُک جاتے ہیں

اخلاقی جرأت اور اخلاقی مقاومت اسی حالت میں قائم رہتی ہے کہ جب اُس سے کام لیا جاوے کام اسی صورت میں لیا جا سکتا ہے کہ جب انسان تمام واقعات تمام خیالات تمام کیفیات تمام حالات کا اظہار اصلیت اور حقیقت کے مطابق کرتا ہے بعض وقت انسان اس خیال سے خلاف حقیقت اظہار پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ بعض صورتوں میں اپنی سبکی و قدری - بے رعبی - بے اعتباری و بے وقعتی دیکھتا ہے -

اس قسم کے خیالات اسی حالت میں انسان کے دل میں نشو ونما پاتے اور پیدا ہوتے ہیں کہ جب وہ عزت اور وقار اعتبار اور رعب کے حقیقی معانی اور واضح مفہوم پر غور نہیں کرتا ہے - عزت - رعب - وقار - اور اعتبار کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ انسان حقیقت کو چھوڑ کر مفروضہ واقعات اور مصنوعی مطالبات پر ایمان لائے خود بھی دھوکہ میں رہے اور دوسروں کو بناتے جس کو کبھی ایک دام فریب میں پھنسانا ہے - سچی عزت - سچا وقار - واضح احترام - اور حقیقی اعتبار اسی حالت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہم حقیقت الامر کے عاشق اور صداقت کے شیدائی ہوں - زبان اور دل کی پاکی صداقت اور تمیز کے زرد سبز ہاتھوں میں رکھو وہ کھو کر دیکھے اور مطابق واقعہ ہو [illegible] کہو کہ جو صداقت سے پرکھا ہے صادق البیان اور صادق القول مبارک انسان ہے -

تبادلہ خیالات

کوئی چارہ نہ تھا مجبوری میں کوشش کے سوا
رہنمائے منزل مقصد ضرور [illegible] گئی

دنیا میں جو جو واقعات ظاہور میں آتے ہیں - لوگ اُن کی وقومی حالتوں یا کیفیات کو محسوس کرتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایک حالت دوسری حالت سے بدل جاتی ہے ایک کیفیت یا ایک حالت کے بعد دوسری کیفیت یا دوسری حالت آتی اور اس رنگ میں تعالی ہے -

ان حالات میں یہ کہنا پڑیگا کہ دنیا میں جو کچھ وقوعہ ہوتا ہے اُس کے آثار باقی رہتے ہیں اور ہر ایک وقوعہ معدوم ہونے سے پہلے اپنا اثر اور اپنا رنگ چھوڑتا ہے۔

مجموعہ عالم میں جس قدر ترقیاں ہوئیں یا اب ہو رہی ہیں۔ یا جو آیندہ ہونگی اُن کا وجود یا حدوث مجموعی طاقتوں یا اسباب سے ہوا ہے یا ہوگا اگرچہ بظاہر اسباب دنیا کا ہر ایک کام فرداً فرداً ہو رہا ہے اور ہر کارکن بجائے خود اپنا ہی بہی خواہ اور اپنا ہی مزدور ہے لیکن درحقیقت ایک فرد دوسرے کا غلام اور ایک طاقت دوسرے کی مقید اور پابند ہے۔

ایک بڑھئی یا ایک لوہار اپنے پیٹ کی خاطر یا صرف اپنے واسطے مزدوری کرتا اور طرح طرح کی کاریگریاں دکھاتا ہے مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ اپنے فایدہ کے ساتھ ہی دوسروں کی خدمت بھی کرتا ہے۔ چاہے کوئی شخص کوئی کام کسی ہی نیت اور کسی خودغرضی سے کرے اُس میں دوسروں کا فایدہ یا نقصان ضرور ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص بیوقوفی سے خودکشی کر بیٹھے تو گو وہ اپنی ہی جان کھوتا ہے لیکن چشم غور سے دیکھو گے تو پتہ لگ جاویگا کہ اُس کی اُس بزدلانہ حرکت نے اپنے یا اُس کے خاندان کو ہی ہلاکت میں نہیں ڈالا بلکہ اور افراد پر بھی مہلک اثر کیا ہے۔ بعض پر مالی اثر پڑا ہے اور بعض پر اخلاقی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ کر رہا ہوں اپنی ہی خاطر کر رہا ہوں یا یہ کہ دنیا کے دوسرے افراد اس کے واسطے کچھ بھی محنت اور کلفت نہیں اٹھاتے تو یہ اُس کی ایک فاش اور عملی غلطی ہوگی۔ ہر فرد تمام دنیا کا خود بھی مزدور ہے اور ساری دنیا اس کے واسطے بھی مزدوری کرتی ہے۔

مختلف محنتوں اور کلفتوں کا آپس میں ایک عمدگی کے ساتھ تبادلہ ہوتا رہتا ہے اور ایک محنت یا کلفت دوسری محنت یا کلفت کی قایم مقامی کرتی ہے بعض لوگوں نے اس اندرونی تبادلہ پر غور نہیں کیا اور نہ یہ سمجھا ہے کہ محنت محنت کا معاوضہ کیونکر ادا کرتی ہے۔ اگر ایک نقشہ بنا کر دکھایا جاوے کہ محنتیں کیونکر متبادل ہوتی ہیں تو کہنا پڑیگا کہ گو محنت کرنے والوں کو علم نہ ہو لیکن ایک محنت دوسری محنت سے روزانہ بدلتی رہتی ہے اور اس کے سوا گذارہ نہیں۔

وضعی صورتیں اور عملی کیمیا سے ہی متبادل نہیں ہوتی ہیں اور نہ مقصد رسم نہیں لیا

جاری نہیں بلکہ عالمی دنیا میں بھی یہ سلسلہ جاری اور قائم ہے۔ جس طرح ایک منڈی میں ہر دن اور ہر گھڑی ہزاروں بیوپاریوں اور لاکھوں من مال کا تبادلہ کرتی اور شہروں کی رونق اور رونق کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح خیالات کی منڈی میں لاکھوں خیالات کو تبادلہ کی صورت میں اِدھر اُدھر اُچھال رہی ہے۔

گو بہت لوگ مبادلہ خیالات کی منڈی اور قیمہ محسوس نہ کر کے محسوس نہ کرتے ہوں اور ان کے نزدیک دنیا کی خیالی منڈی ایک ہی محدود دائرہ میں چل رہی ہو مگر درحقیقت ہر لمحہ اور ہر لحظہ خیالات کی منڈی میں ہزاروں لاکھوں پر آتی جاتی ہے اور سلسلہ خیالات میں لاتعداد اور لگاتار یا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

اس تبادلہ پر دنیا کی رونق اور ترقی کا مدار ہے اس کے بارے میں مقصد اصلی رہا ہے اس سب دنیا کی منڈی کو جو یہ رونق اور عروج حاصل ہے اس کا اصلی موجب کیا ہے۔ بس یہی تبادلہ۔

اگر یہ نہ ہوتا تو وہ بابا آدم والی پرانی کٹیا اور بیروں کی منڈی میں کھلی نظر آتی۔

ہمیں با معاون نظر دیکھنا چاہئے کہ

(الف) دنیا کی ترقی کس امر پر موقوف ہے۔

(ب) تبادلہ کیا ہے

(ج) اُس کے اقسام کیا ہیں۔

(د) تبادلہ کی سود مندی یا ناسود مندی کا معیار کیا ہے۔

(ہ) تبادلہ کی اصلی غرض کیا ہے۔

(و) بلحاظ ضرورت اور عدم ضرورت کے تبادلہ کا اثر کیا ہے۔

(ز) بالفاظ دیگر تبادلہ کو کیونکر تعبیر کیا گیا ہے۔

(ا) گو دنیا کی ترقی کا ایک اصول یا ایک طریقہ نہیں ہے۔ لیکن مشاہدات اور تجربوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دنیا کی ترقی اور بہبود کا مدار غالباً مندرجہ ذیل امور پر موقوف ہے۔

اول۔ معاشرتی ضروریات کے واسطے جو امور ضروری الاحد ہیں وہ مہیا

کئے جائیں۔

دوم۔ جن امور اور جن کوائف سے معاشرتی اغراض کا نہ پورا ہو وہ دور ہوں۔

سوم۔ معاشی اور معاشرتی مشکلات رہیں۔

چہارم۔ یا کسی سٹڈی میں باعتبار معاشرتی اصولوں کے جو جو مواد مہیا ہو چکے ہیں اُن کو قیام اور جدید مواد کی تکمیل او ظہور ہو۔

پنجم۔ جو امور اور جو کوائف مخفی ہیں اُن کا اظہار کیا جاوے۔

ششم۔ جو باتیں اور جو کمالات ایک فرد یا ایک گروہ کو حاصل ہیں۔ دوسرے بھی اُن سے مستفید ہوں۔

ہفتم۔ نقص اور خوبی کے اعتبار سے سماجی معاملات میں ایک تیسرا درجہ دائع یا حائل ہو۔

غرضیکہ بھی مقصد رہیں کہ جس رو سے کی ہر ایک قوم کی ترقی کا انحصار اور مدار ہے۔ اور اسی مواد کی تکمیل میں دنیا اور دنیادار سرگرداں اور حیراں ہیں۔

۲۔ ایک ہستی یا ایک جو، جب دوسری ہستی یا دوسرے وجود کو دیکھتا یا اس سے کچھ سنتا یا پاتا یا حاصل کرتا ہے خواہ وہ عینی ہو یا حسی یا لمسی یا وہمی تو وہ ایک مبادلہ کرتا ہے۔

یا یوں کہو کہ۔ مبادلہ۔ وثیقت۔ احساس۔ لمس۔ تخیل۔ وہم۔ لفظ و بلحاظ مکالمت۔ اور تبادل کا ایک انتقال نام ہے۔ یعنی ان کوائف کا انتقال ایک مبادلہ ہے۔

۳۔ مبادلہ کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں۔

(الف) عینی۔

(ب) سمعی۔

(ج) وجدانی۔

(د) حسی۔

(ہ) لمسی۔

(د) وجودی۔

(ر) خیالی۔

عینی۔ جب انسان یا کوئی اور ذی روح دوسری ہستی یا دوسرے وجود کو دیکھتا پاتا ہے تو اُس وقت اُس کے عینی ادراک سے اُس کے ذہن اُس کے باطن۔ اس کے حواس پر ایک اثر ہوتا ہے وہ اپنے دل اور اپنے دماغ میں ایک حرکت اور ایک جذب محسوس کرتا ہے۔

وہ جذب اور یہ عینی احساس ایک تبادلہ ہے کیونکہ جس طرح اس کے دل و دماغ پر ایک اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری ذات متاثر ہوتی ہے۔ جب ہم ایک شخص یا ایک چیز کو دیکھتے ہیں تو ہماری نگاہیں اپنے دل اور اپنے دماغ میں اُن تازہ معلومات کا ایک ذخیرہ پاتی ہیں اور اس ذخیرے سے خیالات پر ایک مسلسل اثر پیدا ہو کر نئی نئی صورتیں وجدانی طور پر منتقل ہو کر ایک جذبہ پیدا اور ایک یا نقشہ بناتی ہیں۔ عام اس سے کہ وہ جذبہ پیدا یا جذبہ نقشہ اثر کے لحاظ سے کس حقیقت کا ہو

ہم اپنی آنکھوں اور اپنی دوربین نگاہوں کو معطل ہی صرف نہیں کرتے بلکہ اس کی بدولت اوروں سے کچھ لیتے ہیں اور جو اُن کو کچھ دیتے ہیں قبل اس کے کہ ہم نے کسی جذبہ وجود یا جذبہ ذات کا مطالعہ نہیں کیا تھا ہمارے دل یا ہمارے دماغ میں کوئی یا کسی قسم کا عملی اثر نہیں تھا۔ لیکن جوں ہی کہ صورت سامنے حائل ہوئی ایک عملی اثر پیدا ہو گیا۔ ہماری نظریں جدا ہو گئیں اور ہماری نگاہوں میں ایک بُعد حائل ہو گیا لیکن ہمارے دلوں میں ایک کیفیت نمودار ہوتی جاتی ہے ہم۔ سب سے پہلے اپنے آپ کو ایک سودمندی یا ناسودمندی کی حالت میں پاتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے صفحۂ قلب پر کوئی انوکھا نقش یا عکس اُتر رہا ہے

نگاہیں جدا ہو گئیں اور دلوں نے اُن سب کو الگ کو رکھ لیا۔

اینکہ کہ مرا رخت ہم ز دیدہ برفت — لیکن دل من بود کہ علیحدہ نرفت

در ہجر تو ایں قدر مرا شد معلوم — کز دل برود ہر آنچہ از دیدہ برفت

ہماری نگاہیں آپس میں جو داد و ستد کرتی ہیں کوئی الغرض ان کا علم نہ ہو مگر تھوڑی

ہی دیا اور وقفہ کے بعد ہمارا قیاس ہمارا ادراک ہمیں بتاتا ہے کہ یہ تبادلہ باعتبار سود مندی کا یا نا سود مندی کے اس درجہ تک ہے۔

ہماری آنکھیں صرف مادی روح احساس سے ہی داد و ستد نہیں کرتیں بلکہ نوری روح اجسام اور اعصاب سے بھی یہ عمل جاری ہے۔ ہم ایک عجیب پتھر کو دیکھتے ہیں ایک خوش نما جانور ہماری نظروں سے گزرتا ہے ایک دلچسپ پودا دکھائی دیتا ہے ان مشاہدات سے ہمارے دل پر ایک اثر ہوتا اور جدید معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتی ہے گو دوسرے حواس کو ہمارا علم کامل ادراک اور ضمیر شعور کے ساتھ نہ ہو۔ اور ہماری نگاہیں انہیں جذب معلومات کا کام دیں مگر ہم ان سے بھی اس طرح مستفید ہوئے اور اس حیثیت سے سود مند یا نا سود مند تبادلہ کرتے ہیں کہ جیسے دوسری عمل مادی روح احساس سے ہوتا تھا۔ پھر ہمیں اسی اندرونی مضمون اور جذبات و خوبیوں سے آگاہ کرتا۔ اور ایک خوش آمد جانور اپنی رسیلی آوازوں سے گاتا اور ایک سرسبز پودا اپنی سرسبزی اور خوشنمائی سے دکھاتا اور ایک بانسری کی دردناک آواز سوجھاتی اور سمجھاتی ہے کہ قدرتی ہاتھوں نے مادی عقل احساس کے سوائے نباتات اور جمادات میں بھی کیا کچھ ظاہری اور باطنی خوبیاں اور لطائف ودیعت کر رکھے ہیں اُن کی خوبی اور اُن کی عمدگی ہمیں اُن سبقوں پر لے جاتی ہے کہ ہم جن سے اپنی معاشرت اپنی خوشی اپنے حظ اپنے معاد کے سود مند معانی اخذ کریں اور سند کے طور پر سامنے رکھیں انہیں دلچسپ واقعات کو مختلف نسلوں تک سجائے ہیں۔

یہ سمجھو کہ انسان انسان ہی سے سبق لیتا ہے۔ نہیں نہیں آنکھیں بینا اور دماغ بینا چاہئے ان جڑی بوٹیوں سے بھی صدہا مفید سبق مل سکتے ہیں۔

ایک خوش الحان پرندہ بولتا اور دور پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں ایک نے یا ایک بانسری بجتی ہے۔ ان میں سے ایک بے عقل زندہ اور ایک محض مردہ ہے پر دیکھو دونوں کی دردناک آوازیں اور دلربا صدائیں سننے والوں کے دلوں پر کیا کچھ آفت لاتی ہیں انسان چلتے چلتے ٹھہر جاتے ہیں اور حیران ہو کر دیکھتے اور گوش توجہ سے سنتے ہیں دل لرزتا اور جگر میں ایک جلن اور دماغ کے اندر ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔

مگر ہمسری کی خوش آمد آواز دلوں پر قبضہ کر لی جاتی ہے۔ سخت دلوں کا ذکر نہیں جنہیں خدا نے درد دیا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ گیانے کا جادو انسان کے جادو اور ہمسری کے لب انسان کے لبوں سے زیادہ پر موثر بات نہیں ہوتے۔

یہ قصہ جانے دو کہ خوش الحان پرند کیا بولتا اور نے کیا کہتی ہے۔ یہ کہو کہ ان صداؤں کا اثر دلوں پر کیسا ہوتا ہے۔ اور رگ و ریشہ میں دردوں کی طرح کیسے دورہ کرتا ہے۔

نگاہ ہر نظر سے ترے شکار کوئی　　جگر کے پار ہے کوئی تو دل کے پار کوئی

یہ قصہ بھی رہنے دو کہ لب نے میں یہ بلا کا اثر کس کے لب کے وصل سے پیدا ہوا اور اس سوکھی لکڑی میں کس جان بخش لبوں نے روح در دیکھو نک دی۔ یہ بھی نہ پوچھو کہ ہمسری آباد کھڑا اردلی ہے یا کسی اور کا۔

ہمارے سامنے لازم نہیں چرچے رقیبوں کے
کوئی ذکر اور چھیڑو باتوں میں نہ شر نکلے

سمعی یعنی سامعہ یا تبادلہ ہے دوسرے درجہ پر سمعی مبادلہ ہے۔ انسان سنتا بھی ہے اور سناتا بھی ہے۔ ان دونوں عملوں سے انسان بہت سی باتیں اخذ کرتا ہے۔ اور بہت سی باتیں اُس سے اخذ کی جاتی ہیں۔ ہم ایک بات سنتے ہیں اور سننے کے ساتھ ہی ہمارے دل اور ہمارے دماغ پر ایک اثر ہوتا ہے اُس کے متعلق اور جس قدر کیفیات ہوتی ہیں وہ سب ہماری نگاہوں میں پھر جاتی ہیں۔ اور ہم ہمدردی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ واقعات کا تبادلہ کرتے ہیں۔

ہم سنتے ہیں کہ ایک ملک کے لوگ اس طرح رہتے اور یوں تو و ہاں رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کا تعلیمی سلسلہ ہے اور یوں اُن کی معاشرت ہے اُس کے ساتھ ہی ہمارے حالات میں ایک تموج پیدا ہوتا اور ایک تبدیلی ہونے لگتی ہے۔ گو ہم دوسری جانب کو اُس کے مقاصد میں کچھ نہ دیں یا وہ خود ہم سے کچھ اخذ نہ کرے مگر ہمارے ادراکی سرمایہ میں ایک بیشی ہو جاتی ہے۔ عام اس سے کہ اس کا نتیجہ خوبی ہو یا نقص۔

سمعی مبادلہ کا اثر اور جذب بعض اوقات عینی تبادلہ سے بھی بہت بڑھ کر رہا ہے دنیا کی اکثر مخاصمتوں منافسوں جوش او ولولہ کا ابتدائی سبب اکثر اوقات میں سمعی مبادلہ

ہو جاتا ہے۔ تھا اور طبیعت میں کیف کا کچھ رنگ جم گیا سا اور دماغ چکرا گیا۔
اور دل میں خیالات کا ہجوم ہونے لگا۔

یہ تھا عشق ار دیدار حیرت   تھا کس دولت ار گفتار حیرت

وجدانی۔ انسانی ادراک بصارت اور سمع پر موقوف نہیں۔ وجدان پر بھی انحصار ہے گو وجدانی ادراک کا بہت سا حصہ بھی باہمی موجبات اور اسباب پر موقوف ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وجدانی طاقت بھی ذاتی طور پر تبادلہ کرتی رہتی ہے آنکھیں دیکھتی اور کان سنتے ہیں۔ حواس محسوس کرتے اور جوارح کام دیتے ہیں۔ وجدانی طاقت ان سب اسباب سے نتیجہ نکالتی اور پہلے دیکھی ہوئی چیزوں سے خیالوں کا تبادلہ کرتی ہے۔

جب کبھی انسان اپنے آپ کو چند خیالات کے نرغہ میں بحالت ایک کشمکش اور پیچ میں پھنسا پاتا ہے اور ایک خیال کو ہٹا کے دوسرے خیال کو رکھتا اور پھر اسی کو پھر واپس لیتا ہے تو وہ حالت وہی ہے کہ جس کو دوسرے الفاظ میں وجدانی تبادلہ کہا جاتا ہے ہم ایک معاولی قائم کر دیتے ہیں اور اُس کے ساتھ ہی اُس کی الٹی بھی کر دیتے ہیں۔ ایک بات کی نفی کرتے ہیں اور اُس کے ساتھ ہی اُس کے اثبات پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہی وجدانی تبادلہ اور یہی وجدانی حس ہے۔ اس کا تماشا کر سکتے ہو؟ کچھ مشکل نہیں وجدانی آنکھیں کھولو اور اس کا تماشا کرو۔

نہ راہیں چل اگر فکر بقا ہے نام ہے عادل
نظر کر کہہ رہے ہیں سالکوں کے نقش پا تجھ سے

وجدانی تبادلہ کے مشاہدے سے انسان ایک انبساط پاتا اور سرور حاصل کرتا ہے اور اس پر ثابت ہو جاتا ہے کہ قدرتی مشینیں کس خوبصورتی سے کام کر رہی ہیں۔

حسّی۔ احساس بصر۔ سمع۔ خیال۔ غور اور قیاس سے متعلق ہے۔ بہت سے واقعات کو ہم نظری اور سمعی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ اور اکثر وجدانی اور قیاسی طریق سے کوئی سا طریق ہو۔ ہر ایک حالت اور ہر ایک طریق عمل میں بالاحساس تبادلہ

خیالات کا ہموار رہتا ہے۔ ایک حالت کے احساس کے ساتھ ہی ہمارے رگ و ریشے میں ایک قسم کی حرکت طاری ہوتی ہے اور ہم اپنے دل میں ایک نئے قسم کا جوش پاتے ہیں۔ اس حرکت اور اس جوش سے ہم واقعی ایک طاقت اور ایک عمل حاصل کرتے ہیں۔ وہ جدید طاقت یا وہ جدید عمل ہمارے دماغ پر معاملہ دیگر معمولہ صورتوں کے ایک اور ہی اثر کرتا ہے جو اپنی ذات میں متغیر ہوتا ہے۔ یہی صورت اور یہی حالت ایک حسی تبادلہ ہے۔ ہر ایک قسم کا احساس ایک قوی الاثر عمل ہے اور وہ قریباً ہر ایک طاقت انسانی سے وابستہ ہے۔

لمسی۔ ہم بہت سی حالتوں اور کیفیتوں کو قوت لمس سے پاتے اور دریافت کرتے ہیں اور اس عمل سے تبادلہ حالات صورت پذیر ہوتا ہے۔

وجودی۔ وجودی تبادلہ وہ ہے جو بہ حیثیت ایک وجود یا ایک جسم کے عمل پذیر ہو خواہ وجود محسوس بالوجود ہو اور خواہ محسوس المعقول اس قسم کا مبادلہ ناگہانی یا اتفاقی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ارادی۔ ہم ایک مال کو ایک دوسرے شخص کے روبرو بہ حیثیت ایک کاسہ یا ایک سلسلہ کے پیش کرتے ہیں اور اس کو [illegible] حاصل کرتے ہیں یہ ایک وجودی [illegible] ہے۔ ایک چیز ایک نے کسی شخص کو دی اور اس نے کوئی اور شے پاتے ہیں یہ ایک حسی تبادلہ ہے۔ ان دونوں صورتوں [illegible] دل و دماغ پر ایک جوہری اثر ہوتا ہے عام اس سے کہ [illegible] تک قائم رہے۔

خیالی۔ تبادلہ کی یہ قسم ہمارا ایک عام اصول [illegible] حاوی ہے کوئی قسم کی حادثے وہ تکمیل سے کل سے خالی [illegible] کی خارج ہے۔

ہم نے اوپر تشریح ہوس کی ہے اس نقطہ پر پہنچ [illegible] کہ مبادلہ [illegible] قوتوں کے مندرجہ ذیل صورتیں رکھتا ہے۔

اتفاقی

ارادی

اتفاقی۔ وہ حالتیں ہیں جو ناگہاں روع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ ہم عام طور پر بلا کسی تخصیص کے جو کچھ دیکھتے اور جو کچھ کہتے سنتے ہیں۔ یہ سب اتفاقی حالتیں ہیں۔

جب ہم ارادتاً کوئی بحث کرتے یا معلومات بڑھاتے یا کسی امر کی تحقیق اور ادراک میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ ایک ارادی صورت ہے۔

ان صورتوں کے سوائے کہ جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ یہ شق وہم اور ظن پر بھی حاوی ہے۔ خالی حالتوں سے خیالات کا اظہار ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ ظنی اور وہمی صورتیں بھی مرغوم ہیں۔

اگرچہ دنیا میں ہر ایک قسم کے مبادلہ کی ضرورت اور وجود مانا جاتا ہے۔ لیکن اس بحث میں ہماری اعلی غرض خیالی تبادلہ سے ہی ہے۔ درحقیقت مبادلہ خیالات سے ہی انسانوں کی معاشرت اور معاد پر ایک غیر محدود اور قوی اثر پڑتا ہے۔ گو ہم نے اس شق کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر دراصل یہ حقائق کا مبادلہ ہے۔

(۴) اب ہماری بحث کا رُخ بدل گیا اور اس تبدیلی سے ہم یوں کہیں گے کہ دنیا کے حقائق۔ عمدگیاں۔ اور غیر عمدگیاں۔ مبادلہ خیال کے ذریعہ سے خواہ وہ کسی قسم سے ہی کیوں نہ ہو۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ میں اتفاقی یا ارادی طریق سے منتقل ہوتی ہیں اور صرف مبادلہ خیال ہی اس انتقال کا قوی باعث ہے۔

حقائق۔ ہمیشہ ادھر اُدھر آتے جاتے اور مبادلہ پذیر ہوتے ہیں اور اس تبادلہ کی وجہ سے ملکوں اور قوموں میں شائستگی اور تہذیب یا خرابی اور نقص کی بنیادیں پڑتی ہیں۔ یہ بحث طلب ہے کہ انتقال حقائق یا تبادلہ خیالات کی صورت کیونکر واقعہ ہوئی ہے۔

اس کی یہ صورتیں ہیں۔

(الف) انسانوں کا اختلاط اور میل جول۔

(ب) سیاحت یا سفر

(ج) تجارت

(د) مذہب

(۵) حکومت

انسان ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں کوئی سیاحت اور سفر کے ذریعہ سے مختلط ہوتا ہے اور کوئی تجارت اور حکومت مذہب کے وسایل سے اثر ڈالتا ہے یہ سب حالتیں بجائے خود قوی الاثر ہیں زبردستی اور جبر سے اول تو کوئی تبادلہ خیالات ہوتا نہیں اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کا اثر اور اس کی بنیاد بہت ہی کمزور اور بودی ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے قوموں کی تاریخی حالتوں کو غور کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ وہ اس امر کی تصدیق کرسکتے ہیں کہ جبری تبادلہ خیالات کا اثر آخر کس جنس سے ظاہر ہو رہا ہے اور وہ کہاں تک موثر ثابت ہو سکا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ بعض دفعہ حکومتیں بعض خیالات کو مٹا دیتی ہیں اور مذہبی جوش کا اثر ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسی حالتوں کو قیام اور ثبات نصیب نہیں۔

وہی تبادلہ خیالات قوی الاثر ثابت ہوتا ہے کہ جو بلا کسی جبر اور جوش کے بتدریج ہوتا چلا جاوے۔ ایسی حالت میں لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا کہ اُن کے دلوں اور دماغ میں کیا کچھ صور ہیں اور نقوش منعکس ہو رہے ہیں۔ بجاوے جدا میں باہمی نفرت۔ محبت۔ عداوت۔ سرگرمی کی گرم بازاری چلی جاتی ہے مگر تبادلہ خیالات کی حکومت کا سکہ ایک دلاوری اور خاموشی کے ساتھ کس دم کس اور بافرد سابق کے دل دماغ پر جمتا چلا جاتا ہے۔

قومیں ایک دوسرے سے نفرت کریں اور فرضاً ایک دوسرے کو برا سمجھے ہیں۔ لیکن جن حقایق اور جن خیالات کو اُن کے دلوں اور اُن کے دماغوں اور اُن کے وطن اور اُن کے ملک * اثر ڈالتا ہے۔ وہ ایک خاموشی اور سلامت روی سے موثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۵) لوگ ایک دوسرے کو مطعون کرتے اور بری نظروں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک کا قاذو دوسرے پر چل جاوے۔ ایک دوسرے کا معمول نہ ہو سکے۔ یہ سلامت روی سے رکتا نہیں۔ دنیا اسی دھن میں لگی رہتی ہے اور تبادلہ خیالات کی

سطحی جھگڑے سے ایسا کام کر لی جاتی ہے۔

ہر زمانہ میں قوموں نسلوں لوگوں نے تبادلہ خیالات کی اثر پذیری سے نفرت ظاہر کی اور اس عمل کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا مگر زمانہ نے ایسی چال بدلی اختیار کر کے دکھا دیا کہ تبادلہ ہو کے رہتا تھا۔ یہ ایک سدی تھی۔

دل۔ دماغ۔ زبان سب اسی رنگ میں رنگے گئے۔

تاجروں۔ سیاحوں۔ حاکموں۔ اور فاتحوں نے کوشش کی کہ مفتوحہ قوموں کے آثار اور خیالات اُن پر موثر نہ ہوں مفتوحہ قومیں مفتوحہ نسلیں مختلطہ لوگوں نے بہتیرے زور مارے کہ اس زد سے محفوظ رہیں۔ لیکن جن خیالات کا عکس پڑنا تھا پڑ کے ہی رہا۔ قوموں اور فرقوں نے مخصوص فرقوں کو جدا کر کے بھی دیکھ لیا تب بھی نہ ہوا نہ رکی۔

بے قید ہیں پابند طلب علم و کمالات رکتا نہیں ہو کر کبھی تالہ میں قمر بند

شہروں کے نقشے۔ آبادیوں کے نمونے لباس کی تراش خراش۔ لوگوں کی چال ڈھال نشست برخاست میل جول۔ ایک اور آبرو یہ سب چیزیں سکھا دیتی ہیں کہ تبادلہ خیالات کے اثرات نے کہاں تک نفوذ کیا ہے اور کس عمدگی و خاموشی سے دیار قلوب پر یہ اثر اور یہ عمل ہو رہا ہے۔ ہاں کہا جاوے گا کہ کسی پر کم اور کسی پر زیادہ لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کم و بیش معمول برابر رہا ہے۔

(٦) تبادلہ خیالات یا انتقالِ حقائق نہ تو ہمیشہ سود مند ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی نا سود مند۔ تبادلہ یا انتقال ایک حقیقت کی حقیقت یا ایک امر کی اصلیت کو بدل نہیں کر پاتا جس حیثیت اور جس حقیقت سے کوئی حقیقت ہوتی ہے اسی حیثیت سے منتقل ہوتی ہے۔ ہاں یہ دوسرا امر ہے کہ اس کی اصلیت کو بیاسات دیگر اور حالات بدلا یا جا سکے جیسے ہم نے یہ کہا تھا کہ تبادلۂ خیالات در حقیقت حقائق کا تبادلہ یا انتقال ہے۔ ایسے ہی یہ کہا جاوے گا کہ ایسا تبادلہ یا ایسا انتقال اکتساب حقائق ہے۔ ہم ہمیشہ اتفاقی یا ارادی طریق پر اوروں سے جو کچھ سیکھتے اور ان کو کچھ سکھاتے بھی ہیں۔ صحیح بنا پر تبادلہ سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ایسے تبادلۂ خیالات کا باعتبار

سود مندی یا ناسود مندی کے معیار کیا ہے۔ ہماری رائے میں تحقیق حق کے واسطے جو جو اصول اور ضوابط عام طور پر مقرر ہیں وہی مبادلہ خیالات کا معیار بن سکتے ہیں۔

مبادلہ خیالات کی کیفیت اس امر کی مستلزم نہیں کہ ہم سرسری طور پر یا ایسے مبادلہ کے ساتھ ہی ایسے خیالات مستدلہ کے تسلیم کرنے کی آمادگی ظاہر کریں یا ان سے متحرز ہوں ہمیں ضرور ہے کہ اسی ضابطہ اور قاعدہ سے انکو بھی دیکھیں اور پرکھیں جو ضابطہ اصولاً تحقیق حق کے لئے مرعی ہے۔

ہم اپنے سلسلۂ زندگی میں اکثر تجربات کو دیکھتے اور اکثر تبدلات کو پاتے اور محسوس کرتے ہیں اکثر ہوائیں آئیں اور ہمیں ٹچ کر کے گذر جاتی ہیں۔ کیا یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم ان سب کو غور کی نگاہوں سے دیکھیں اور سود مندی یا ناسود مندی کے اعتبار سے ان کا خیر مقدم کریں یا ان سے بچیں اور سوچیں کہ ان میں سے کون حالت یا کون کیفیت مناسب ہے اور کون نامناسب۔

وہ شخص جو ایک شاہ راہ پر بیٹھے بیٹھے تمام گذرنے والوں کو ہی اپنا رفیق یا حریف قرار دیتا ہے وہ اپنے اور اپنے حالات کے واسطے سچا فیصلہ نہیں کرتا۔ وہ اپنی زندگی کو ایک جھمیلے میں ڈالتا اور اپنے اغراض کو گرداب ناکامیابی میں ڈھکیلتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ ان گذرنے والوں سے کون اس کی طبیعت اور اس کے حالات کے موافق ہے اور کن کو اس سے مغائرت اور منافرت ہے کیا ایسا آدمی کہہ سکتا ہے کہ میں نے تمیز سے کام لیا ہے۔

ہم ہمیشہ ہر شخص سے خیالات کا مبادلہ کرتے ہیں۔ ہمارے دماغ سے کچھ خیالات دوسرے دماغوں میں حلول کرتے ہیں اور کچھ دوسرے دماغوں سے نکلکر ہمارے … آتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم جو کچھ پاتے ہیں اُسے سرسری عمل میں داخل کرنے کے بعد قبول یا رد کریں اور محک سود مندی اور ناسود مندی پر پرکھیں کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو جو خیالات باہر کے آزادوں سے لئے جاتے ہیں وہ نہ ہمیشہ صحیح حقائق کا درجہ رکھتے ہیں اور نہ قطعاً حقیقت سے معرا ہوں۔

بہت سے خیالات اس قسم کے ہمارے … ہیں کہ وہ اپنی ظاہری چمک

دنیا کے اعتبار سے فی الواقعہ خوشنما ہیں۔ فی نفس الامر ہیں گو وہ اوروں کے حق میں سودمند ہوں۔ لیکن ہمارے کوائف سے مخالف ہوسکتے ہیں۔ ان کی خوش نمائی تو ہمیں ان کے اندر محسوس کرتی ہے لیکن اسے کوائف کی مخالفت مانع ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں ہمیں پورے عزم و احتیاط اور تامل سے کام لینا چاہئے۔ اگر ہم بلا غور و فکر انکو اپنا دستور العمل بنالینگے تو یقیناً ہمیں ایسے ناسودمند عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ہم ایک ایسی راہ اختیار کرینگے جو ہماری منزل مقصود کو نہیں جاتی ہے۔

(۸) تمام اصول کے لحاظ سے ہمارے خیال میں ہر ایک مسئلہ خیال کی سودمندی اور ناسودمندی کا معیار مندرجہ ذیل امور ہوسکتے ہیں۔ اگر ان امور کے لحاظ سے اس کا اختیار کرنا عمل میں آویگا تو ہمیشہ کامیابی کا پلہ بھاری رہیگا۔

(۱) اس کی ضرورت۔

(۲) اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ۔

(۳) اس کی حقیقت اور اس کا ثبوت۔

(۴) اس کی وسعت سودمندی۔

ہم تبادلہ میں اوروں سے یہ خیال لیتے ہیں کہ ہماری طرز معاشرت اس اصول پر بھی چاہئے اور ہماری طرز زندگی ان لوازمات سے زیادہ مفید اور دلکش ہوسکتی ہے اس سے پہلے کہ ہم ان نئے اصولوں پر عمل کریں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ انکی ہمیں ضرورت کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہماری پہلی موجودہ طرز زندگی کیسی ہے۔ اسکی حقیقت کیا ہے اور اس کا ثبوت کیسی دلائل اور کن واقعات پر مبنی ہے۔

وہ طرز [illegible] سودمندی [illegible]

اگر ان [illegible] اختیار کرنے اور [illegible] تو اس اخذ و قبول کی [illegible] کہ وہ اوروں [illegible] افراد کے واسطے اچھے او [illegible] ایک [illegible] سی بات ہے۔ [illegible] باتیں اوروں کے مناسب حال [illegible] ان کا وجود اور ان کا عمل موزوں نہیں۔

یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا حقائق اضافی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور کیا ایک حقیقت ایک موقعہ پر حقیقت ہے اور دوسرے پر دائرہ حقیقت سے نکل جاتی ہے۔ مگر یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ حقیقتیں کبھی اپنی حقیقت کو ترک نہیں کر سکتی ہیں۔ لیکن حقائق یکساں کیفیت یا یکساں کمیت کے نہیں ہیں حقائق باعتبار اپنے اقسام کے چند قسمیں رکھتے ہیں۔

(۱) حقائق کلیہ (۲) حقائق جزئیہ۔ (۳) حقائق عامہ۔ (۴) حقائق خاصہ۔
(۵) حقائق قومیہ۔ (۶) حقائق ملکیہ۔ (۷) حقائق معاشرت۔ (۸) حقائق معاد

حقائق عامہ اور **حقائق کلیہ** وہ حقائق ہیں جو ہر وقت اور ہر ملک میں بلا کسی تغیر کے اپنا اثر ڈالتے ہیں اور ہر فرد بشر کو ہر وقت اُن کی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کی اعلیٰ غرض اُن کے وجود سے مربوط اور وابستہ ہیں اگر ایسے حقائق صرف جنوبی جانب میں ہی ہوں تو دیگر اطراف شرق و شمال اور غرب میں بھی وہی اثر اور وہی خوبی رکھیں گے جو انہیں جنوب میں حاصل ہے۔

جو **حقائق جزئیہ یا قومی** ہیں اور بعض ایسے اسباب سے وابستہ ہیں۔ جو اُسی خطہ یا اُسی قوم سے مربوط ہیں اُن کا بعض اوقات تو دوسرے خطہ والوں اور دوسری قوموں سے معاملہ ہو سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات بالکل بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے حالات اور ایسے کوائف میں ان کا استعمال اور اُن پر عامل ہونا گویہ مخالف ثابت ہوگا اور وہ حقیقت باوجود اس کے کہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک حقیقت ہے۔ اس گروہ کے واسطے کبھی بلحاظ حالات موجودہ کے سودمند حقیقت ثابت نہ ہوگی گو وہی حقیقت کسی اور موقع پر بوجہ تغیر و تبدیل حالات اور کوائف کے کسی قدر مفید نکل آئے۔

ڈاکٹروں اور اطباء کے نزدیک ہر جڑی بوٹی اور ہر دوا کو بجائے خود ایک اثر حاصل ہے اور مصداق حقائق الاشیاء ثابتہ یہ امر ثابتہ ہیں لیکن ان کا اثر ہمیشہ طبائع یا کبھی کبھی موسم کے لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ایک شے

ایک طبیعت یا ایک فرد میں کچھ اور اثر رکھتی ہے یا دوسری طبیعت میں اس کے خلاف خلاف عمل کرتی ہے۔ یہ اختلاف صرف مخالف طبیعت یا قبول کرنے والی قوت کے اختلاف کی وجہ سے ہے اسی طرح دیگر حقائق کا حال ہے۔

چونکہ حقائق کے اقسام اور تخصیص وغیرہ تخصیص کی بحث بجائے خود ایک علیحدہ بحث ہے اس واسطے ہم اس کو کسی اور موقع کے واسطے چھوڑ کر صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہمیں ہر خیال اور ہر پیش آمدہ صورت کو انہیں اصولوں اور انہیں ضوابط سے مقبول یا مردود قرار دینا چاہئے کہ جو ہم نے اوپر کے جملوں میں بیان کئے ہیں اندھادھند مقبولیت یا تردید اصول حق کے منافی ہے۔

مبادلہ کی اعلیٰ غرض یہ ہونی چاہئے کہ جو شخص یا جو ملک اور جو قوم اسے قبول کرتی ہے اس کے حق میں وہ یا تو منفرداً مفید ہو اور یا مجموعہ افراد کے لئے سودمند ثابت ہو اور اس کا سودمند ہونا بالعرض نہ ہو بلکہ باللزوم۔

متبادلہ خیالات کا صرف اس غرض سے خیر مقدم کرنا ہے کہ ان کے اتصال سے ایک سوسائٹی یا ایک قوم یا کم سے کم ایک ذات واحد میں بہبود اور بہتری کی صورت پیدا ہو اور دلاویز عمدگیاں تاج زندگی میں نمایاں ہوں۔ اور ان کے ذریعہ سے وہ امور اور وہ باتیں اور وہ فتوحات حاصل ہوں جن کا وجود پہلے نہ تھا اور جن کا حصول ضروری ہے۔

جو لوگ تبادلہ خیالات سے صرف ایک جدت اور فیشن کے طور پر مستفید ہوتے ہیں وہ دراصل کوئی اعلیٰ غرض حاصل نہیں کرتے بلکہ عارضی طور پر ایک ایسا عمل کرتے ہیں جو ان کے یا ان کے اور افراد کے حق میں بالخصوص مفید ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے اس عمل سے سوسائٹی یا قومی افراد کے حق میں کوئی صورت ترقی کی نکلتی ہے۔

دراصل ایسی حالت میں جو ان لوگوں کا بھی ان پر وثوق اور اعتبار نہیں ہوتا وہ جب دیکھتے ہیں کہ جس مقصد سے انہوں نے اس قبیل خیال کا تبادلہ کیا تھا

اب اُسی مادہ میں سے ایک اور خیال معرضِ ظہور میں آکر نشوونما پا رہا ہے تو وہ بہت گھبراتے اور مضطرب ہوتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں کہ اُس پہلے خیال کے معاوضہ میں اُس جدید خیال کو قبول کریں۔ یہ مجبوری انہیں صرف اس واسطے لاحق ہوتی ہے کہ وہ حقیقت کے اعتبار سے قائل نہیں ہوتے بلکہ محض نیت کے لحاظ سے دراصل ضرورت اور نیتیں کے معانی اور اغراض میں بہت کم فرق رکھا جاتا ہے خواہ باعث ضرورت کے اعتبار سے انحصار کی جاتی ہے یا جسے ضرورتاً ترک کرتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ دلائل رکھتی ہے۔ لیکن جو عمل محض دکھاوے کی ہوتا ہے وہ اخیر پر ایک تماشا ثابت ہوتا ہے۔ ضرورت سودمندی اور ناسودمندی کو مقدم رکھکر تبادلۂ خیالات سے حصہ لو یہی عمل تمہارے حق میں ایک مستقل فائدہ ہے۔

تبادلہ خیالات کی سودمندی باعتبار وسعت۔ تبادلہ خیالات شخصی بھی ہوتا ہے اور خاص و عام بھی۔ اتفاقی بھی اور ارادی بھی۔ موثر بھی اور غیر موثر بھی۔ سودمند بھی اور ناسودمند بھی۔ عارضی بھی اور لازمی بھی۔ جزئی بھی اور کلی بھی ایک شخص پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے اور ساری قوم پر بھی یا صرف ایک مخصوص گروہ پر۔ تبادلہ خیالات خواہ کسی پیمانہ پر ہو۔ وہ اُس حالت میں مفید ثابت ہوگا جب وہ بھی سودمندی کے خیال سے انحصار کیا گیا ہو۔ اگر ایک قوم کسی غیر قوم سے جدید معاشی یا معاشرتی خیالات کا اخذ یا اکتساب کرے تو وہ اس حالت میں بہ حیثیت مجموعی مفید ہوگا جب وہ اُن چند اصولوں کی پابندی سے اختیار کیا جاویگا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو تبادلے محض ریس اور آندھے جوش سے کئے جاتے ہیں وہ کسی حالت میں اخیر پر سودمند ثابت نہیں ہوتے گو وہ بجائے خود صادق ہوں اور اُن میں سودمندی کی صفت پائی جاوے مگر اُن کی ایسی صداقت بوجہ تخلف اصول **اِیضَاعُ الشَّیءِ فِی مَحَلِّہٖ** دوسروں پر اپنے اظہار صداقت سے باز رہتی ہے۔

وہی طریقہ اور وہی تبادلہ اختیار کرو جو لحاظ اپنی عام سودمندی کے پسندیدہ ہو اس چال چلو کہ جو کلیتہً مفید ہے اُن راہوں سے پرہیز کرو جو تمہیں منزل اصلی کی سرلوں سے دور رکھتی ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ کسی قوم کی لازوال خوبیوں کا عکس لو۔ تو تمہارا

اعلیٰ ظرفی یہ ہے کہ ضرورت اور فرض کے خیال سے ایسا کرو نہ کہ دکھاوا کی یا کور تقلید سے۔

اگر تم غیروں کے کمالات اخذ کرنا چاہتے ہو تو سب سے اوّل یہ دیکھو کہ اُن کا طریق اخذ کیا ہے اور کیا وہ حاصل کمالات تو نہیں ہیں اور کیا اُن میں صداقت ہے اور اُس کے مقابلہ میں تم اپنے اندر کیا کچھ رکھتے ہو۔ پھر خواہ معاملہ کرو اور دیکھو کہ معاملہ کیا ہے۔ جو قوم اپنی خوبیوں کو چھوڑ لی اور دوسروں کی کہہ بات کو اندھی تقلید سے اختیار کرتی ہے وہ دراصل اپنا حرمہ لٹا کر دوسروں کے مال کو تکتی ہے۔ وہ دونو حالتوں میں قابل نفرت ہے۔

اور جو قوم اپنی برائیوں اور اپنے برے خیالات کو غیروں کی عمدگیوں اور غیروں کی اچھائیوں سے صرف اس واسطے نہیں بدلتی کہ وہ غیروں کی ہیں وہ اپنی ذات اور اپنی قوم پر ظلم اور غدر کرتی ہے۔ اچھی عادات اور اچھا خیال جہاں سے ملے ہیں خوشی سے اخذ کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو تم کفران نعمت کرتے ہو۔

بے وقوف اور بے وقر ہے وہ قوم جو اپنی خوبیوں کو ترک کر لے اور دوسروں کی خوبیوں کی طرف حسرت سے تکتی ہے۔ احمق ہے جو اپنی عظمتوں کو چھپاتا اور غیروں کے نقائص کو قبول کرتا ہے۔ اور لوچ ہے وہ فرقہ جو اپنی برائیوں کو غیروں کی اچھائیوں سے نہیں بدلتا۔ ناقص العقل ہے وہ جماعت جو جانتا سمجھتا اور دیکھ کر اس پر عمل نہیں کرتی۔ بیہودہ ہے وہ گروہ اور پاگل ہے وہ شخص جو اپنی برائیوں پر اتراتا اور دوسروں کی نیکیوں اور عمدگیوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا اور بے دوقی سے ترک کرتا ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں اور تمام نیکیوں کے مالک ہم ہوںگے۔ (بیت)

اگر ہم پہلوئے نقص و ہنر کو بھی دیکھتے جاتے — ہمیشہ حسن کو تنقیص کا تم کبھی دیکھتے جاتے

ایک غلط فہمی — وسعت اثر تبادلہ کی بات ایک غلط فہمی پیدا ہو آتی ہے بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تبادلہ خیالات کی معمولی غلطی کل افراد کو کیونکر حاوی ہو سکتی ہے اور اس کا برا اثر اوروں کو کیسے متاثر کر سکتا ہے۔ بہ ایک

سرحد پار سے آنے والی مصیبت ہے ایک نیا خیال اگرچہ ایک ہی فرد کی ذات میں اثر پذیر ہوتا ہے لیکن اس کی سمت رفتہ رفتہ سب افراد کو گھیر لیتی ہے لوگ غور نہیں کرتے ورنہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انسانی دلی طبیعتوں کا تناسب ہوا کہ ثابت ہوتی ہیں۔

نیا ولولہ در تبادلہ: لوگ تعجب کرتے اور حیران ہوتے ہیں کہ ایک خیال یا ایک امر جس کو ایک فرد یا چند لوگ اختیار کرتے ہیں۔ ساری قوم میں کیونکر ساری ہو جاتا ہے اور کیونکر ایک چنگاری شعلہ میں ڈھلی ہے۔

یہ نہیں سوچتے کہ ہوا کیونکر تمام ابدان میں نفوذ کر جاتی ہے اور کس طرح مسام اسے قبول کرتے ہیں۔

بادِ خیالات بھی ایک ہوا ہے جو چاروں طرف سے چل رہی ہے ہوا کا چلنا لوگوں کی خواہشوں پر موقوف ہے۔ لوگوں کی خواہش ہو یا نہ ہو وہ ضرور چلے گی اور ضرور اُس کا دلوں اور دماغوں پر اثر ہوگا۔ ([illegible])

ریختہ شوق یہاں کی سرد آہیں ہو گئیں ۔۔۔ میرے دل سے اُن کے دل تک صاف راہیں ہو گئیں

لوگوں کو خبر نہیں ہوتی کہ جدید خیالات اُن کی طبیعتوں میں آ کے اخلاقی مساموں میں گھر کرتی ہیں وہ لوگ خواص یا عام اپنے اور ہم کہتے ہیں کہ عہد نو کے حقائق صادقہ کو ہم کسی حالت میں بھی قبول نہیں کریں گے (غلطی پر ہیں) وہ چاہیں یا نہ چاہیں آخر صداقت کی کرنیں اپنے ذاتی رو سے ہی سرایت کر جاتی ہیں۔ ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جو تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں اور جن کی ضرورت ہے اور جو زمانہ پیش کر رہا ہے وہ ہو کے رہیں گی خواہ تم چاہو یا نہ چاہو تمہاری مرضی ہو یا نہ ہو تم پسند کرو یا نہ کرو صداقت اپنی حکومت منوا کر رہے گی اور حقائق کا عمل و دخل اپنا دخل پا کر اور اپنا قبضہ جما کر رہے گا۔ زمانہ کی طاقت تمہیں خود ہی سیدھا کرے گی تم خود ہی رفتہ رفتہ اُس مرکز پر آ جاؤ گے جہاں صداقتوں کے آنے کا درس ہوتا ہے

تمہاری ضد اور تمہاری تعصب آخیر پر ندامت کا باعث ہوگی تم بار بار اپنی ذات میں مخالف تبدیلیاں پاؤ گے اور دیکھو گے کہ تمہارے خیالات میں کیا کچھ حیرت ناک انقلاب ہوئے ہیں تمہیں معلوم بھی نہ ہوگا اور تم محسوس بھی نہیں کر سکے لیکن خیالات میں سراسر

اور لگاتار تبدیلی ہوتی جاوے گی ناگزیر ضروریات روزمرہ تمھیں آپ ہی اُس ماحول اُن کیفیات پر آسنگی جنھیں ہم سخت معیوب خیال کرتے تھے۔ ایک طرف سے تم نفرت اور کراہت کروگے اور دوسری جانب سے تمھاری طبیعتیں خاموشی کے ساتھ تبادلہ خیالات سے متاثر ہوتی جاوینگی۔

تاریخوں کے ورق الٹو پلٹو اور دیکھو کہ تبادلہ خیالات کے وقت دنیا اور انسانی جماعتوں میں کیسے کیسے شور و شر اٹھے اور کیا ادلا بدلی پڑی اور آخر اُس کا نتیجہ کیا ہوا۔ جو لوگ اور جو طبیعتیں مخالفتوں پر تلی بیٹھی تھیں وہ باوجود مخالفت کے خود ہی اُن راہوں پر آ ٹھہریں جو زمانہ نے دکھائی تھیں۔

پس سنبھلے بچو۔ تبادلہ خیالات میں ریس اور محض بھیڑ چال سے بچو حقیقت کے معاوضہ میں ایک حصہ لو اور وہ راہ اختیار کرو جو سدھی ہوئی ہو ایسا نہ ہو کہ اندھی ریس اور اندھی تقلید تمھیں اندھا کنواں دکھادے دنیا میں جدید قسم کے خیالات پیدا ہوتے اور گوناگوں ہوائیں چلتی ہیں۔ لیکن سب خیالات اور سب ہواؤں کا نتیجہ ایک نہیں ہوتا تبادلہ خیالات سے جو نتیجے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ آب زلال بھی ہیں اور زہر ہلاہل بھی اور ان دونوں میں تمیز ضرور کرنی چاہئے۔

اکثر صورتیں نمائش اور دکھاوے میں دلربا ہیں۔ لیکن سودمندی اور نتائج میں مہلک اور بیوفا۔ کسی شئے کی ظاہری خوبصورتی یا نمائش وحسن واقعی متلاشی دلوں اور دردمند روحوں کے واسطے ایک پیغام نشاط افزا ہے۔ لیکن جب سیرت اور حقیقت بُری نکلے گی تو یہی حسن اور یہی نمائش وبال جان ہو جاوے گی۔

پس قومیت کا لحاظ رکھو ہر ایک تبادلہ میں قوم اور قومیت کا لحاظ رکھو قومیت معاشرت کے لحاظ سے اگا یہ ایک مذہب اور ملت ہے جو لوگ قومی عظمتوں قومی خصوصیات کو کھوتے اور برباد کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے بتِ عظمت کو آپ ہی توڑتے ہیں۔ اور دیکھو کوئی قوم دوسری قوم کے سامنے اپنے رشتۂ قومیت کو توڑ کر عزت نہیں پاتی اور دیکھو تمھاری قومیت تمھاری عزت تمھاری عظمت ہے تبادلہ خیالات کے ذریعہ سے سب سے بڑھکر یہ خیال قابل تمکین ہے کہ وہ طریقے جو آجکل محترم ہیں قومیت کے بتِ عظیم کو کس لعدیں

اور کس تعظیم کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور سادہ لوح خیالات کی دیوی کا فیضان کس نمط کا ہوتا ہے۔

عمروں سے حقائق حاصل کرنے میں سبقت سے حریص ہو جاؤ۔ جس طرح ایک پرلے درجہ کا حریص اور طامع دوسروں کے مال اور دولت کو دریدہ نگاہوں سے دیکھتا اور اڑا لینے پر دوڑتا ہے۔ اسی طرح تم بھی کوشش کرو۔ عمدگیوں کو لے لو اور اُن پر سو جان سے قربان ہو جاؤ۔ لیکن اپنی قوم۔ قومیت۔ قومی امتیازات کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ دو۔

اگر تمہاری قومیت چھٹ گئی اور ہم اس دائرہ سے دور جا پڑے تو تم نے کچھ تمتع حاصل کیا؟ یہ وہ راز ہے جس نے قوموں کو بنایا اور قوموں کو قائم رکھا ہے یہ وہ بھید ہے جو قوموں کو قوموں میں محترم اور باعزت ثابت کرتا ہے ہماری حرمت ہماری عزت ہمارا اقبال ہماری قومیت میں ہے۔

مجھے نہ کچھ نظر آیا سوائے جلوۂ یار
جدھر جدھر دلِ روشن سواد لیکے پھرا

تحسین و نفرین

خواہ ہم کسی جانوں اور کسی شریعت کے ماننے ہوں۔ خواہ معاد اور معاشرت دونو کے قائل ہوں اور خواہ صرف معاشرتی تو اس کو ہی مانتے ہوں ہر حالت میں ہم اسی چند روزہ زندگی میں اعمال اور افعال یا خیالات کا ایک مسلسل سلسلہ رکھتے ہیں۔

جوں ہی اس دنیا میں ہم وارد ہوتے ہیں اس ورود کے ساتھ ہی کسی نہ کسی طرح سے سلسلہ اعمال کا شروع ہو جاتا ہے۔ بہت سے ہمارے ایسے اعمال یا خیالات ہیں کہ جو دیگر نوع انسان کی نقاد نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں۔ یا نوع انسان کو اُن کی نسبت رائے قائم کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ بہت سے ایسے اعمال یا خیالات ہیں کہ جو نوع انسان کی نگاہوں سے گذرتے ہیں اور اُن پر ریویو کیا جاتا ہے۔

خواہ ہم معاد کے قائل ہوں اور خواہ نرے معاشرتی تو اس کے متبع دونوں حالتوں

میں ہم نے اعمال اور افعال یا خیالات کے متعلق چند قوانین وضع کر رکھے ہیں۔ یہ بحث جداگانہ ہے کہ وہ قوانین بذاتہ کس حیثیت اور کس پایہ کے ہیں۔ اُن قوانین کے ذریعہ سے ہم اعمال اور افعال یا خیالات کا موازنہ کرتے رہتے ہیں۔

اِس عمل امتیاز سے ہم بعض اعمال یا افعال اور خیالات کو اچھے قرار دیتے ہیں اور بعض کو ناقص یا مکروہ۔ گو نقص و عمدگی اور حسن و خوبی و درستی کے تعین میں اکثر اوقات اختلاف پڑ جاتا ہے اور تاویلی قانون حسن و خوبی اور بدی یا درستی کے پیمانہ یا معیار کو مختلف تناسب کرتا ہے لیکن اس بحث کو جدا رکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہمارا قانون یا اصول خواہ کچھ ہی ہو ہر حال اعمال افعال اور خیالات کو وزن کیا جاتا ہے۔

نوع انسان نے ضرورت۔ تجربہ۔ تاثر۔ سمجھ اور ماحصل کے لحاظ سے اعمال افعال اور خیالات کے نام اور خصوصیات اور درجے مقرر کر رکھے ہیں خواہ یہ تعینات معیاری اصولوں کی تطبیق سے ہوں اور خواہ معاشرتی ضروریات کے اعتبار سے۔

ہم بعض اعمال کو نیک کہتے ہیں۔ اور بعض کو بُرا۔ بعض کو خوب قرار دیتے ہیں اور بعض کو زشت۔

یہ تقسیم خواہ کسی حقیقت پر محمول ہو اور خواہ فرضی اُس دائرے میں جہاں اس کی بنیاد رکھی گئی ہے صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔ اور طبیعتوں یا دلوں اور دماغوں پر اُس کا ایک اثر ہوتا ہے اور قوم یا سوسائٹی کے اکثر امور معاشرتی یا معادی کا اس تاثیر ہی پر انحصار ہے۔ نوع انسان اس وقت عموماً تین قسم کے قوانین کے تابع ہے۔ ۱۔ قانون معادی۔ ۲۔ قانون معاشرتی۔ ۳۔ قانون حکومتی۔ جس تقسیم کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اُس کی بنیاد عموماً قانون معاد اور قانون معاشرت پر ہے۔ گو قانون حکومتی کے اکثر احکام بھی انہی دو نوع ضابطوں سے لئے گئے ہیں۔ مگر وہ قانون ہر حال معاملہ ان دو نوع قوانین سے الگ ایک جبری قانون ہے۔

اعمال۔ افعال اور خیالات کا تنقیدی عمل اور اس تقسیم یا اثر کا معیاری ضابطہ خود نوع انسان کی نیچرل آرزو یا خاصہ ہے۔ نوع انسان بہ حیثیت مجموعی اور بہ حیثیت افراد چاہتی ہے کہ اُس کے فعل اور ترک فعل پر ریویو کیا جائے اور ایک [illegible] سے قائم کی جاوے۔

تحسین رائے سے انسان یا عامل کے دل میں ایک قسم کا فاتحانہ یا فطری جوش پیدا ہوتا ہے یا یوں کہو کہ یا تو اس کے دل پر مایوسی اور بیزاری کا اثر ہوتا ہے اور یا امید اور خوشی کا سماں بندھ جاتا ہے۔

جب دوسرے انسان یا دوسری طاقتیں ان دونو حالتوں کی بات کھلے الفاظ میں یا عملی طور پر اظہار کرتے ہیں۔ تو انسان اُس پر توجہ کرتا اور اُس سے متاثر ہوتا ہے یہ اظہار دو ہی قسم کا ہوگا تحسینی الفاظ میں یا نفرتی جملوں میں۔

نوع انسان جن اعمال۔ افعال اور خیالات کو اپنے ضوابطہ کی رو سے قبول کرلی ہے وہ تحسین کے مستحق ہوتے ہیں اور جن کو قبول نہیں کرلی وہ مستوجب نفرین۔ ان حالات کے لحاظ سے ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔ کہ انسان طبعاً تحسین سے خوش ہوتا اور نفرین سے ندامت حاصل کرتا ہے۔ یا یوں کہو کہ نوع انسان طبعی طور پر تحسین کی آرزومند اور نفرین سے نافر ہے بعض حکیموں نے بحث کی ہے کہ اعمال کا باعتبار تحسین و نفرین کے فعل یا ترک بجائے خود ایک کاروباری ہے۔ لیکن جس درجہ میں تسلیم کر ان حکیموں نے یہ آئین قائم کی ہیں یا جس اسباب تحقق سے یہ کریں نکلی ہیں وہ اسماں تحسین کا ایک اور ہی درجہ ہے۔ معاشرتی ضرورت اور عروج و نزل کے لحاظ سے ہر ایک فرد نوع انسان تحسین کا خواہاں اور نفرین سے نفور ہے

جو لوگ تحسین سے بھی نفرت گریں ہو جاتے ہیں وہ اس آرزو کے تارک ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اُن میں طبعی طور پر یہ خواہش ہی نہیں ہوتی۔ وجود آرزو اور ہے اور ترک آرزو اور شے ہے۔

ہر ایک قسم کے قانون میں جو انسان کے واسطے موضوع ہے۔ تحسین اور نفرین کا ضابطہ موجود ہے۔ سماوی قوانین میں اُس کو اور الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ معاشرتی اور حکومتی ضابطوں میں اور طریق پر۔ یہ امر مسلم شدہ ہے کہ نوع انسان کے اعمال اور افعال کا ربو ہوتے رہنا انسانی ترقیات کی کل کا ایک اعلے جزو یا ضروری پرزہ ہے۔

سماوی قوانین میں سزا اور جزا کا ضابطہ دراصل ایک تحسین اور نفرین ہے نہ

یہ کہنا کہ اس فعل سے جنت ملے گی اور اِس ترکِ فعل سے دوزخ۔ تحسین و تعریف کی تفصیل کی ایک صورت ہے۔

حکومتی قوانین میں یہ ذکر کہ جو شخص اِن افعال کا مرتکب ہوگا۔ اُس کی پاداش یہ ہوگی۔ اور جو یہ کریگا اُس کا انعام یہ۔ درحقیقت بالفاظ دیگر تحسین و تعریف کی ہی تبلیغ ہے۔ انسان کا کوئی کام ایسا نہیں ہے۔ کہ جس میں اصول معاد یا معاشرت کے اعتبار سے تحسین و تعریف کی ضرورت نہ ہو۔

ایک فلسفی کہتا ہے کہ ہر ایک مہم اور ہر ایک امر کے لئے تحسین و تعریف دو عملی علاج ہیں۔ ان عملوں سے معاشرتی نسیں ہمیشہ اپنے اصلی مرکز پر قائم رہتی ہے۔ تحسین سے غرض یہ ہے کہ جو شخص ایک کام میں مصروف ہے یا جو جماعت ایک کام کر رہی ہے وہ حوصلہ اور امید کے ساتھ بدستور کام کرے۔ بس۔ اور اُس کے حوصلہ اور ہمت میں روز افزوں ترقی اور افزائش ہوتی جائے۔ اور دوسرے افراد کو بھی اُس روش پر چلنے اور عمل کرنے کی تحریص اور ترغیب ہو۔

تحسین ترقی کی ماں اور اقبال و احترام کی کنجی ہے۔ اور انسان کی کوششوں اور مساعی کا ایک باضابطہ معاوضہ۔ تحسین کا نعرہ درخواست اور التجا سے نہیں نکلتا بلکہ نوع انسانی سے خود ہی بے اختیار وقت پر نکل جاتا ہے۔ ایک آدمی اچھا کام کرتا ہے اور لوگ خود بخود ہی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایک اکھاڑے میں ایک پہلوان اچھے داؤ چلتا ہے۔ ناظرین بلا درنگ آہا! کہہ اُٹھتے ہیں۔

ایک اچھا نمونہ ایک اچھی چیز ایک دلکش سماں ایک خوبصورت آدمی ایک اچھی نظم ایک دلاویز ترکیب دیکھتے اور سنتے ہی ہر انسان اپنے اپنے مذاق کے موافق طبعی جوش سے رائے زنی اور واہ واہ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ایک شاعر شیریں مقال یا واعظ خوش خصال کے ترکیب دار الفاظ کے سنتے ہی کیوں دلوں پر اثر ہو جاتا ہے اور کیوں درد کی موجیں رگ و ریشہ میں دورہ کرنے لگتی ہیں۔ وہ کون سی طاقت ہے جو انسان کو راہ جاتے ٹھہرا لیتی ہے اور اُس کے منہ سے بے ساختہ تحسینی الفاظ کہلوا لیتی ہے؟۔
یہ وہی طاقت اور یہ وہی جوش ہے جو انسان کے دل میں طبعی طور پر تحسین و تعریف کے

نام سے پایا جاتا ہے۔ تحسین کے معاملہ میں تعریض ایک دوسری قسم کا معاوضہ ہے۔ اگر ایک آدمی اچھی حالت میں اچھے معاوضہ کا حقدار ہے۔ تو بری حالت میں برا معاوضہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تحسین قدر دانی یا قدر افزائی ہے۔ اور تعریض سے بے قدری یا تذلیل۔ تعریض سے برائیوں اور ناقص خیالات کا انسداد ہوتا ہے اور نوع انسان پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ ایسے افعال سے ایسے نتیجے پیدا ہوا کرتے ہیں۔

جو قومیں تہذیب یافتہ ہیں اور اخلاقی جرأت (مورل کریج) رکھتی ہیں۔ اُن میں تحسین اور تعریض کو عملی طور پر معرض اظہار میں لانے کا رواج ہے۔ اور ان دونوں عملوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے لیکن جن قوموں میں ابھی اخلاقی جرأت کی کمی ہے۔ اُن میں باوجود اس مادہ کے موجود ہونے کے اس سے عملی فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔

وہ امور جو سود مندی یا نا سود مندی کے لحاظ سے مشترکہ اغراض کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ امور جو قریباً منفردانہ ہیں ان دونوں کی نسبت تحسین اور تعریض کے نام سے ریویو ہونا چاہئے جو لوگ قوم یا ملک کے واسطے کسی قسم کا کام کر رہے ہیں یا اُن کا وجود باعتبار بعض ضروریات مفید ہے ضروری اور لابدی ہے کہ ان کے کاموں کو ہمیشہ تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاوے اور جس معاوضہ کے وہ مستحق ہیں وہ اُن کو دیا جاوے۔ اور جو تعریض کے قابل ہیں۔ اُن سے عملی تعریض کا اظہار کیا جاوے۔

اچھائی کی ترویج یا برائی یا نقص کے انسداد کے لئے جیسے عام تحسین اور تعریض کی ضرورت ہے۔ اور جیسے اس کا اثر ہوتا ہے اور کسی عمل کا نہیں یہ صورت اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ جب ذاتیات کی بحث کو الگ رکھا جاوے اور قومی کاموں اور سوسائٹی کی ضروریات کو ایک جداگانہ مسرت سمجھ کر رائے زنی کی جاوے۔

جن ملکوں اور جن قوموں میں تحسین اور تعریض کا صادق عمل جاری نہیں ہے وہاں گویا گیہوں اور جو کا ایک ہی بھاؤ ہے۔ ایسے ملکوں کی انجمنیں۔ کارخانے اخبارات رسالے۔ مصلح ہمدرد۔ کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟ اور کیوں اُن کی محنتوں۔ مساعی اور خیالات میں مایوسی غالب رہتی ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ اُن کی خدمات کا اُن کی قوم منصفانہ اندازہ نہیں کرتی۔

جو لوگ بدکن اور اخلاق سوز حرکات رکھتے ہیں سوسائٹی انہیں اُن ہی نظروں سے دیکھتی ہے جن سے احمقوں کو دیکھتی ہے۔ اس حالت میں اُن کو کوئی تنبیہ یا تادیب نہیں ہوتی۔

جب تک عملی طریقوں سے نیکی کو ترقی اور بدی کو شکست نہیں دی جائے گی تب تک قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ جو لوگ اچھا کام کرتے ہیں وہ اِس بات کے مستحق ہیں کہ اُن کی تحسین کی جاوے اور اُن کے حوصلوں کو بڑھایا جاوے۔ اور جو لوگ خود غرضی سے اس میدان میں آتے ہیں۔ ضرور ہے کہ اُن کو نفرین کی نگاہوں سے دیکھا جاوے ہمارے اعمال نوع انسان سے کیا چاہتے ہیں منصفانہ ریویو۔ نوع انسان کی طرف سے ہمیں کیا ملنا چاہئے؟ تحسین یا نفرین۔ تحسین اور نفرین کا کیا اثر ہے؟ تحسین ہمارے ارادوں کو بڑھاتی اور ہماری ہمت میں قوت بخشتی ہے۔ اور اس سے دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ترغیب ہوتی ہے۔ نفرین ہمیں برائیوں اور کم ہمتیوں سے باز رکھتی ہے اور اوروں کو عبرت دلاتی ہے۔

اگر ایک انجمن یا ایک اخبار یا ایک رسالہ قوم کی خدمت کر رہا ہے۔ تو وہ اُس صورت میں ترقی پا سکتا ہے کہ جب پبلک اُس کی خدمات کا ریویو کرتے ہوئے اُس کی تحسین اور ہمت افزائی کا باعث ہو۔ جو شخص اچھا کام کرتا ہے جو جماعت اچھی خدمات پیش کر رہی ہے ضرور ہے کہ اُس کی داد دی جاوے۔ جو شخص اپنی خدمات کی داد چاہتا اور اپنی قدر افزائی کا آرزومند ہے وہ ایک طبعی خواہش کا خواہشمند ہے۔

ہماری ترقی اور ہماری تنزل صرف تحسین اور نفرین کے دو الفاظ کے قیمتی فلسفہ پر مبنی ہے۔

بُزدلی

کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بزدل ہے یا میں کچھ بزدل تو نہیں ہوں یا خدا نہ کرے کہ میں بزدل بنا ہوں۔ یہ ایک ترکیبی جملہ ہے۔ بز فارسی میں بکری کو کہتے ہیں اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ بز بمقابلہ اور جانوروں کے ڈرپوک نامرد اور ناتواں ہوتی ہے۔

باوجود اس قد و قامت کے وہ ایک کبوتر کے بچہ سے بھی زیادہ خوف سے ڈرتی ہے بھیڑیا یا کسی اور درندہ کو دیکھتے ہی لرزنے لگتی ہے اور اس میں ہمت نہیں رہتی مجازاً انسانوں کی طبیعتوں پر بزدلی کا اطلاق کیا۔ جو لوگ ڈرپوک یا کمزور طبیعت کے ہوتے ہیں اُن کو بزدل کہا جاتا ہے۔ اب یہ محاورہ اکثر موقعہ

میں اطلاق پاتا ہے صرف کتابوں میں ہی اس کو استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ روزمرہ اور عام بول چال میں بھی بولا جاتا ہے۔

بزدلی کو صرف بہادری و معرکہ آرائی کے مقابل میں ہی استعمال کر کے ایک محدود دائرہ میں جا پہنچا ہے مگر یہ صرف ہو سکتی ہی مطلب نہیں ہے کہ وہ دلیر نا کھڑا ہو یا آور معرکہ آرا آور مرد تیغ چھتی ماڈر جاتی ہے بلکہ اس قدر ہے کہ اس میں بردباری و تحمل۔ اور استقامت کا مادہ بھی نہیں ہے اسی طرح کسی شخص کو بزدل کہا جائے گا تو صرف یہی مراد نہ ہوگی کہ وہ قتال کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں آ سکتا بلکہ یہ بھی کہ وہ استقلال و استقامت سے خالی ہے اور اس میں تحمل و بردباری کا مادہ نہیں ہے کسی کی تعریف یا اچھائی سن کر تنگ جبیں ہو جانا کسی کے اقبال و عزت کو دیکھ کر کڑھنا اور کسی کے احترام کو حسد کی نگاہ سے دیکھنا بزدلی ہے اور کم ہمتی دلالت جس عمل میں اتنا ظرف نہیں ہے کہ جتنی بردباری پائی جاوے وہ ایک بزدل ہے جیسے کوئی بہت ہی جلدی گرویدہ اور مایوس ہو جاتی ہے اور تھوڑے سے خوف کے بعد ڈر نے لگتی ہے ایسے ہی وہ شخص کہ جو معمولی باتوں سے بگڑ جاتا اور بات بات پہ مشتعل ہوتا اور برہم ہو جاتا ہے ایک بزدلانہ حرکت کا مرتکب ہوتا ہے اس میں نہ تو جرأت استقامت ہے اور نہ زیادہ استقلال وہ بارہ مزاج ہے تھوڑی سی بھی شدت معاملہ اور گرمی معرکہ سے پارہ پارہ ہو کر اڑ جاتا ہے۔

جو لوگ میدانوں کے معاملہ میں پورے اترے اور بے کس پر حملہ آور ہوتے ہیں یا جو بڑے بڑے معرکوں اور خونخوار جنگوں میں فتح حاصل کرتے اور دشمنوں کے ساتھ ٹکر کھاتے ہیں ایسے لوگوں کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر الجھنا اور حیلہ سے باہر ہو جانا سخت درجہ کا بزدلانہ ہے وہ کمزوری سے بھی گئے گذرے ہیں غریب کمزور کو دیکھ ہوئے کچھ حوصلہ بھی کرتی ہے۔ ان میں استعداد تحمل اور بردباری نہیں ہے۔

تلوار سے کسی کا سر کاٹ دینا اس سے زیادہ تر آسان ہے کہ کسی شخص کو صبر احسان اور مروت سے دیکھ لیا جائے۔ بندوق سے کسی کی جان لے لینا اس سے سہل ہے کہ تحمل اور بردباری کی گولی سے کسی کی جان لے جاوے۔ توپ کے گولوں سے کسی قلعہ کو فتح کر لینا بالمقابلہ اس بہادری کے جو نرمی اور خلوص سے اطلاع قلوب کو فتح اور مسخر کرتا ہے زیادہ تر تعریف اور تحسین کے مستحق نہیں ہو سکتا۔ تلوار کے ڈر سے اور بندوق کے سپاہی کی صرف تلوار کے ہوتے ہی کبھی فتح یا شکست ہوتی ہے۔ لیکن جو لوگ شگفتہ پیشانی سے دلوں کو موہ لیتے اور ان کو مسخر کر کے ان کے قلوب میں سکہ جماتے ہیں ان کی بادشاہت اور حکومت صدیوں تک قائم رہتی ہے تاکہ کسی غنیم کا خطرہ ہے اور نہ کسی دشمن کا خوف بہادری یہ نہیں کہ دو چار کو مار دیا اور دس بیس کو لہولہان کر دیا بہادری یہ ہے کہ باوجود زور قدرت آ جانے کے درگزر کیا جائے اور رحم دلی دکھائی جاوے۔

بہادری یہ صرف نہیں کہ کسی جنگ یا لڑائی سے منہ موڑ لیا بلکہ یہ کہ نیکیوں اور بے بسوں پر وار کر کے تحمل و بردباری کو ہاتھ سے دیدیا سچی بہادری وہی ہے کہ جس میں صبر اور تحمل ہو۔ باقی سب نمائش ہے۔ بردباری اور تحمل کی خو پیدا کرو۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

اکثر نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا موجب ہماری غلط فہمیاں ہی ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات ہم صرف اس واسطے نکتہ چینی کرتے ہیں کہ قائل کے منشا یا قول کے معانی رد و مفہوم کو محض اپنے منشا کے مطابق آدھیل کیا جاتا ہے۔ دیگر یہ کہ ہم سیاق قرائن کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان خطرناک طریقوں سے بیشتر نکتہ چینیوں اور بیجا اعتراضات کی بنیاد ہوئی ہے

بعض اوقات صرف اس خیال سے ایک حقیقت الامر یا ایک سچی بات سے اس واسطے بھی انکار کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسری قوم کے مذہبوں میں سے لی گئی ہے ہر ایک حقیقت الامر خواہ اس کا مورث کوئی ہو بوجہ ایک حقیقت الامر ہونے کے ہر حالت میں تصدیق اور تسلیم کے قابل ہے

بعض وقت یہ بھی غلطی لگ جاتی ہے کہ جو ضروریات ایک عام کو لحاظ بعد اور اخلاق کے پیش آتی ہیں ان پر دوسری قوموں یا مابعد کے لوگوں اور نسلوں کو کوئی رائے زنی کا موقعہ نہیں ملتا اور حملہ آوری سے بعض حقائق کو پایۂ صداقت سے گرادیا جاتا ہے ۔

فقرہ مندرجہ عنوان یا وہ فلسفی جو اس فقرہ سے استدلال ہو سکتی ہے ایک ایسا فقرہ یا ایک ایسی فلاسفی ہے کہ ایشیائی ملکوں کے مصنفوں اور سیاسی عالموں نے اکثر جگہ اس کا استعمال کیا ہے بالعموم اسے نظم میں ادا کیا ہے اور بامحاورہ نثر میں لکھا ہے

حضرت مرحوم شیخ سعدی شیرازی نے بھی اپنی پاکیزہ اور مقبول تصنیفات اور تالیفات میں اس فقرہ سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے شیخ کو ہی اس فقرہ کا مدون کیا ہے اور شیخ پر ہی تمام اعتراضات اور نکتہ چینیوں کو جمایا ہے۔

شیخ کی جن جن تصنیفات میں یہ فقرہ آیا ہے ان کی نسبت یہ قیاس کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اس جزو کے خیال سے اخلاقی کتب خانوں میں رکھے جانے کے قابل نہیں ہیں جس طرح مرحوم شیخ کے عاشقانہ پارٹ نے گلستاں جیسی مقبول کتاب کو بعض

ایک عمدہ پیرایہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ جو راستی یا حسن راستی کا بالفعل احتمال ایک فساد اور شر کا موجب ہے یا اُس سے معاملات دنیا میں ایک تہلکہ عظیم کی بنیاد پڑتی ہے یا جو قوموں کو قوموں سے اور برادری کو برادری سے جدا کرنے میں ایک طلسم کا کام دیتی ہے بہتر ہے کہ اُس سے

(الف) یا تو [illegible] احتراز کیا جاوے ۔

(ب) اور یا اُس کا اظہار ایسے طور پر کیا جاوے کہ بجائے مضر ہونے کے یا مفید ثابت ہو

ایک دوست نے دوسرے دوست کو غصہ یا اتفاقیہ جوش میں آکر بُرا بھلا کہا یا اُس سے امر خلاف ظاہر کی اُن دونوں دوستوں میں اس قسم کے تعلقات ہیں کہ اگر اُن میں ذرا بھی تفرقہ پڑ جاوے تو اُن نقصانات کے ناشی ہونے کا اندیشہ ہے کہ جو چیر یا ایک بڑی بھاری برائی کا باعث ثابت ہو سکتے ہیں ایسی حالت میں اگر کوئی تیسرا شخص یا تیسرا دوست دریافت کرے یا بالطور خود ہی اُس قصہ کو بلا کسی تاویل کے دوسرے دوست کے سامنے بیان کرے اور اپنی گفتگو میں اس کے سامنے کسی اصلاح کو مدنظر نہ رکھے تو اُس راستبیانی کا جو نتیجہ ہوگا اُس کو کون نہیں جانتا ۔

اور اگر [illegible] تو بقدر یاد سے اُن واقعات کو [illegible] کیا جاوے یا کسی دوسرے طرز سے اس پر یہ ذکر کر دیا جاوے تو اُن دونوں میں بجائے فساد اور رنج کے صلح اور آشتی رہ سکتی ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس طریق عمل سے منافقت کا خون ہوتا ہے اور جھوٹ کی جڑ پکتی ہے ۔

یہ کہا جاویگا کہ اس صورت میں اکتمام شہادت لازم آتا ہے سو بے شک اکتمام شہادت لازم آتا ہے مگر پیج کے سطور میں تو اس شہادت کی بحث نہیں کی گئی بلکہ ایک عام اصول تمدن اور سیاست یا پولیٹکل کے خیال سے جتلایا گیا ہے بڑے بڑے معزز اور قابل یورپین اور نیٹو بیرسٹر ایٹ لا اور لائیر کچہریوں اور عدالتوں میں جب فریقین کی جانب سے دھواں دھار تقریریں کرتے اور بحثیں دیتے ہیں تو کیا وہ الفاظ ملزم کو مدنظر رکھ کر ٹھیک ٹھیک یادداشت پر دی ہیں اور کیا اُن میں فریقین کی جانب سے امور قانونی اور واقعاتی کی تاویلیں

نہیں کی جاتی ۔

پولٹیکل معاملات میں جب بحثیں ہوتی اور رائیں دی جاتی ہیں تو اس وقت بڑے بڑے پولٹیکل مین پبلک کو کس کس وسائل اور پیچیدگیوں سے اپنے مطلب پر لاتے اور کس کس صورتوں میں اصل مطلب کو چھپاتے ہیں کیسی کیسی ادنیٰ تاویلوں سے ایک معاملہ کو سمجھایا جاتا ہے یہ جو تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں جنٹلمین لنکنس میں عصمت کا استاد اور چلتا ہے اسکا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہر ایک چال زمانہ کے سبب دوراندیشی کو خیال میں لا کر دیتا ہے ۔

کون کہہ سکتا ہے آج کل کے پولٹیکس کے شطرنج میں چال بازی اور مصلحت نہیں ہے اور شیخ سعدی کے قول پر عمل نہیں کیا جاتا ہے اگر ایک حکومت دوسری حکومت کے تابع نہیں جو کچھ کرتی اور جس گھڑی [illegible] اصول سے اگر دوسری کے لئے جائز ہی ہے ۔ اور جو پیچیدگیاں ابھی پیش آ رہی ہیں کیا وہ اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ اس فقرہ کی وجہ سے غریب شیخ کو بدنام کیا جاوے ۔ سچ اگر دیکھو تو جس طرز سے شیخ نے فقرہ انتخاب کیا ہے وہ طریقہ اسی زمانہ کی پولٹیکس کی کتابیں مانی جاتی ہے ۔ یہ حکمت عملی کیا ہے اور کیوں اس کی تعریف کی جاتی ہے ۔ اگر انصاف سے دیکھیں تو اس فقرہ کا دوسرا نام حکمت عملی کے لفظوں سے ترکیب دیا گیا ہے [illegible] پاس اور کتنے امور ہیں کہ جو اس وقت رعایا حکومت سے اور حکومتیں رعایا سے کہاں [illegible] کیا صاف صاف الفاظ میں ہر ایک امر کا اظہار کیا جاتا ہے اور کوئی اونچی بات نہیں رہتی ہے صفائی سے تو یہ کہنا پڑے گا کہ حکمت عملی اور مصلحت جاننا کو ملحوظ رکھ کر کہا سنا جاتا ہے جب جو ایسا عمل یہ ہے تو اس پیچیدگی سے کیا مراد کیا ہے ۔

پولیس اور ڈی ٹیکٹو پولیس کی کارروائیاں اکثر شیخ مرحوم کے فقرہ کے ماتحت جاتی ہیں [illegible] آپ [illegible] اس فقرہ پر کہاں تک عمل کیا جاتا ہے جو لوگ [illegible] سے [illegible] ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس [illegible] اس فقرہ کو ایک اصول کے

کے طور پر مانا جاتا ہے۔ توجیہ ہوا اور کے وقت جاتی کسی اور طرف ہیں اور حضور شام شہرت کسی اور طرف کی جاتی ہے تاکہ دشمن اور مسلم معاملہ میں پڑ کر ناکام رہے کیا ہم موجی حالت میں ایسے طریق عمل سے احتراز کر سکتے ہیں یا ہمیں اس کی ضرورت ہوگی۔ پھول والے کمروں میں بیٹھے اگرچہ کچھ ہی کہیں مگر جنگی عملہ تو اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا تو جیسے کہ عام طور پر ہی ملازمی سلسلوں میں ایسی ضروری مصلحتوں کو نظرانداز نہیں کیا جاتا کہ کوئی معتمد یا غیر معتمد ملازم کہہ سکتا ہے کہ وہ مصلحت کے خلاف عمل کرتا اور پھر ہمیشہ اس عمل میں کامیاب ہوتا ہے ۔

اعتراض کرنے سے پہلے قائل کا مطلب اور موقعہ سمجھنے کی کوشش کرو اور پھر زبان کھولو۔

ڈیوٹی

کوئی انسان نہیں ہے کہ جس کے ذمہ بہت یا کسی ۔ کسی قسم کی اور کوئی نہ کوئی ڈیوٹی یا فرض نہ ہو یہ حد امانت ہے کہ لوگ اپنی اپنی ڈیوٹی یا فرض کو سمجھیں پہنیں اور عرفی طور پر جب کسی انسان کے ذمہ کوئی کام یا کوئی خدمت لگائی جاوے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اُس کی ڈیوٹی ہے ۔

عام اس سے کہ ایسی ڈیوٹی یا ایسا فرض طبعی طور پر اُس کے ذمہ ہو یا اخلاقی طریق سے یا کسی اور طاقت کی جانب سے اُس کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہو ۔

ڈیوٹی کو مندرجہ ذیل اقسام پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) طبعی۔

(ب) اخلاقی۔

(ج) تمدنی۔

(د) مذہبی۔

(ہ) سیاسی۔

(و) اضافی۔

ممکن ہے کہ ان قسموں کے سوا تے اور اقسام بھی ہوں لیکن بالعموم یہی صورتیں پائی جاتی ہیں ۔

ہر ایک ڈیوٹی کو بمقابلہ دوسرے کے ایک خاصیت حاصل ہے یا یوں کہو کہ ہر ایک ڈیوٹی کو اپنی ذات سے بھی نسبت ہوتی ہے اور دوسری سے بھی ۔

لوگ اُن ڈیوٹیوں کو تو محسوس کر لیتے ہیں کہ جو اُن کے ذمہ پر حکماً لگائی گئی ہیں یا جنکو وہ خود ذاتی پر بوجہ اپنی ضروری العمل خیال کرتے ہیں ۔ لیکن جو فرائض اضافی طور پر ہر ایک انسان کے ذمہ لگائے گئے ہیں اُن سے لوگ عموماً ناآشنا ہیں اور نہیں جانتے کہ اُن کا پورا کرنا بھی اُن پر کیسا ضروری ہے ۔ لوگوں کو یہ علم نہیں کہ اپنے متعلق اُن کی ڈیوٹیاں کیا کیا ہیں اخلاقی حکماؤں میں یہ جو کہا گیا ہے ۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ایک بڑی ڈیوٹی کی تشریح ہے ۔ انسان کی یہ خاص ڈیوٹی ہے کہ وہ سب سے اول اپنے آپ کا مطالعہ کرے اور یہ جانے کہ وہ ہے کیا اور اُس کی کیفیت کیا ہے یہ وہ اعلیٰ ڈیوٹی ہے کہ اُس کے پورا کرنے سے انسان ایک سہولیت کے ساتھ اپنی ہر ایک ڈیوٹی اور فریضہ کی بخوبی شناخت کر سکتا ہے اور اُس میں ایک تمیزی طاقت پیدا ہو جاتی ہے ۔

ڈیوٹی کی بابت ایک غیر محسوس غلط فہمی کبھی کبھی راہ زن ہو جاتی ہے جس سے ایک عظیم مغالطہ اور اخلاقی نقص پیدا ہو جاتا ہے ۔

(الف) کسی کام کو صرف ڈیوٹی سمجھ کر کرنا ۔

(ب) کسی ڈیوٹی کو نہ صرف ڈیوٹی کے اعتبار سے کرنا بلکہ حقیقتاً کرنے کے قابل سمجھنا ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ایک ڈیوٹی کو ڈیوٹی سمجھ کر بجالاتا ہے وہ بھی ایک قابل تعریف کام کرتا ہے لیکن جو شخص فریضہ یا ڈیوٹی کے علاوہ کسی کام کو جو ڈیوٹی میں شامل ہے یا ڈیوٹی اُس کا باعث ہے حقیقت الامر کے خیال سے بجالاتا ہے وہ ایک اعلیٰ اصول کی پیروی کرتا ہے ۔

ایک محتسب یا کوتوال اگر اس خیال سے رعایا کی نگہبانی ایمانداری سے کرتا ہے کہ اُس کو یہ ڈیوٹی سپرد کی گئی ہے تو یہ اُس کی ایک خوبی ہے لیکن اگر وہ نگہبانی کی ڈیوٹی

کو ایمان داری سے پورا کرنا بحیثیت ایک ایماندار کے بھی اپنی ذات پر لازمی سمجھتا ہے اور اس کے خیال میں بحالت عدم ملازمت کے بھی ایمان داری سے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا لازمی تھا تو یہ حالت اس شخص کی بہت ہی تعریف کے قابل ہے جو شخص ایک فریضہ کو محض ایک ذریعہ کی حیثیت اور اعتبار سے پورا کرتا ہے وہ دراصل ایک فرض ادا کرتا ہے لیکن جو شخص فرض اور عدم فرض کے خیال سے الگ ہو کر خالصتاً ایک نیک عمل میں لاتا ہے اور اس میں کسی کا حکم یا معاوضہ اور خوف شامل نہیں ہوتا وہ ایک حقیقت الامر کو پورا کر رہا ہے یہ ایک عمیق راز ہے غور کرو اور اس کی تہ تک پہنچو ۔

آپ نے کبھی غور اور فکر کی ہے کہ انسان کی ذات پر قدرت نے کیا کیا ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں۔ کیا میں آپ کو مختصر طور پر ایسی لازمی ڈیوٹیوں اور فریضوں کی تفصیل بتلا سکتا ہوں اگر آپ سننا چاہیں تو سنیں ۔

(الف) انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی ہے کہ اپنے احترام اپنے اکرام اور اپنی عزت کا خود محافظ ہو ۔

(ب) انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی ہے کہ اپنی مدد آپ کرے ۔

(ج) انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی ہے کہ جتنی وہ خود اوروں سے مروت احسان ہمدردی کا خواہاں اور طالب ہوتا ہے اوروں کے مقابلہ میں خود بھی ان کو پورا کرنے کی کوشش کرے

(د) انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ایک وقت میں اپنے درجہ اور اپنی حالت کو ملحوظ رکھے

(ہ) انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ صداقت کو پیار کرے اور برائی سے نفرت

اسی طرح بعض ڈیوٹیاں۔ دوسری طاقتوں۔ حکومت کی جانب سے انسانوں کے ذمہ ہمت پر لگائی جاتی ہیں ان کا کچھ حصہ تو اضافی ہوتا ہے اور کچھ حصہ لازمی فرائض میں سے بھی ہوتا ہے بعض قوانین کی پابندی کے ساتھ بھی پابندیاں عائد ہوتی ہیں جب کسی حکومت یا گورنمنٹ کی جانب سے کسی شخص کو [illegible] ہے تو ایسا شخص ایک تو حکومتی قوانین کی پابندی سے فرض [illegible] کچھ اس کا ضمیر اور نور ضمیر بھی اس کو استحقاق پر مجبور کرتا ہے ۔

ایک شخص کسی دوسرے کے ساتھ کوئی معاہدہ کرتا ہے باعتبار معاہدہ اس پر لازمی

[illegible]

دیتا۔ وہی جس پر معاہدہ مجبور کر رہا ہے۔ معاہدوں کی اور قوانین کی پابندی کی بنیاد در اصل اُس وقت سے پڑی ہے کہ جب سے انسانوں نے حقیقت الامر سے انحراف شروع کیا جو جج رشوت لیتا اور بابہ الاحتفاظ کی خاطر فیصلے دیتا ہے وہ اپنی ڈیوٹی۔ اپنے ایمان اور اپنی عزت اور اپنے حکومتی وقار کا خود اپنے ہی ہاتھ سے خون کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اُس بے عزتی اور اُس بے وقری کا مورد ثابت کر رہا ہے کہ جو سخت ذلت اور سخت ندامت ہے۔ جج کی عزت اور وقر اسی میں ہے کہ وہ سچی سے اعتبار اور وقر کو قایم رکھے جج کا وقار اور عزت اُسی حالت میں ہے کہ جج ایمان داری اور دیانت سے قضایا منفصل کرے ۔

مجسٹریٹ اور جج کی صرف اس لحاظ سے عزت اور وقر نہیں ہے کہ اُس کو قید کرنے یا ڈگری دینے یا خارج کرنے کا اختیار حاصل ہے بلکہ صرف اسواسطے کہ اُس کو اعتبار کی قسم دلائی گئی ہے اور اس سے عملی طور پر یہ اعتراف لیا گیا ہے کہ وہ اپنے ڈیلنگس میں صادق اور ایمان دار ثابت ہوگا اگر اُس پر ایسا اعتبار نہ کیا جاتا تو اُس کو ایسے اختیارات ہی نہ دیئے جاتے۔ اختیارات کے گرنٹ ہونے سے لوگ خوش ہوتے اور اتراتے ہیں پہلے کیوں خوش ہوئے ہو۔ اُس وقت خوش ہو اور اُس حالت میں اتراؤ کہ جب ڈیوٹی پوری کرو۔ گرنٹ اس واسطے نہیں ہوتا کہ انصاف اور رحم کو کھو بیٹھو بلکہ اس واسطے کہ گرنٹ ہونے کے بعد انصاف اور عدالت اور رحم مجسم ہونے کی صادق نظیر قایم کر کے دکھاؤ کہ جو تمہارے اختیارات کے واسطے ایک عملی وقار اور یقینی عزت ہو اور تم کو حکومت اور پبلک کے نزدیک صداقت اور نصفت پژوہی کا ڈپلوما بخشا جاوے ۔

جب تم چار پیسے لیکر عدالت اور انصاف کا منہ کالا کرنے کو تیار ہو جاؤ اور تمہارے اختیارات کا مقیاس اور پیمانہ دولت حرام اور لالچ آ ٹھہرے تو پھر تمہارا اپنے اختیارات پر ناز کرنا ایک بزدلانہ حرکت اور احمقانہ عمل ہے ۔

عدالت کا قلم تمہارے ہاتھ میں اسواسطے نہیں دیا گیا کہ تم اُس کے نوک سے

لوگوں کی گردنیں کاٹو اور تمام دنیا کو اپنے ناپاک خیالات سے گندہ بناؤ ٭

دوستی اور قرابت کے بھی واجبات ہیں اگر تم اُن کو کبھی توجہ سے ادا نہیں کرتے ہو تو سخت جرم یا کم غلطی کے مرتکب ہو اسی طرح پر ہر ایک ڈیوٹی کی بابت تمہیں ہوشیار بنایا گیا ہے تاوقتیکہ اُس سے تم کو سبکدوش نہ کیا جاوے تم اُس کے جوابدہ ہو ٭

نماز اور روزہ کا پورا کرنا یا دیگر مذہبی فریضوں کا دکھاوے کے طور پر کرتے جانا تمام دیگر ڈیوٹیوں سے انسان کو آزاد نہیں کر دیتا۔ ہر ایک ڈیوٹی تم پر ایک قرضہ رکھتی ہے جب تک تم اُس کو پورا نہ کرو گے تم اُس کے مقروض ہو اگر تم کسی ڈیوٹی کو بے دلی۔ بے توجہی۔ لاپرواہی اور کم اندیشی سے پورا کرتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ گلے پڑا ڈھول بجانا ہے تو واقعی تم اپنے ایمانی آداب میں دائمی گنہگار رہتے ہو

جس امنگ سے تمہیں ڈیوٹی دی گئی ہے اُسی امنگ اور اُسی مستعدی اور جوشی سے تم بھی اُس کو پورا کرو مستعدی سے ڈیوٹی کو پورا کرنا اپنے خدا۔ اپنے دل اور اپنے حاکم یا آقا یا بزرگ کو خوش کرنا ہے اور وہ کمی دور کرتا ہے کہ جو ایسا نہ کرنے میں واقع ہوا کرتی ہے ٭

جو قومیں۔ جو لوگ یا جو شخص ڈیوٹی کے پابند ہیں اور اُس کو سمجھ کر انجام دیتے ہیں وہ ہمیشہ زمانہ میں عزت پاتے ہیں اور اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے رحم کا سایہ اور اقبال ہوتا ہے ٭

جب انسان اپنی ڈیوٹی اور اپنے ایمان کو خود ہی سمجھتا تھا اُس وقت نہ تو کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی سزا اور فیصلہ کی۔ انسان خود ہی گناہ کرتا تھا اور خود ہی اپنے آپ کو ملزم گردانتا تھا۔ جو ہی اُس سے ایک تقصیر صادر ہوتی تھی اور جو ہی وہ اُس کا ندامت کے ساتھ معترف ہو جاتا تھا جب ایک انسان کا معاملہ دوسرے انسان کے ہاتھ میں آ جاتا تھا وہ اُس وقت اُس کے فیصلہ اور سلجھانے کے واسطے اپنی کل خود غرضیاں اور ضدیں چھوڑ چھاڑ صحیح پہلو پر فیصلہ دیتا تھا۔ تو اُس وقت کسی قانون کے حوالہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی جج کے فیصلہ کی۔ سب قوانین اور سب ضوابط کا سید القانون اور چیف آف لا ایک ایمان اور کانشنس ہوتا تھا

جب انسانی گروہوں میں بے ایمانی اور خلط ملط صحبت کا حدوث ہونے لگا تو انسانی جماعتوں کے سرگروہوں نے لاچار ایسے قوانین اور ایسے ضوابط کی بنیاد رکھی کہ جن، میں بہ پیرایہ دیگر انسان کو سکھایا گیا کہ ذاتی فرائض اور اضافی ڈیوٹیاں کیونکر ادا یا پوری کرنی چاہئیں اور ان کے طریق کیا کیا ہیں۔ از ماست کہ بر ماست اگر ہم ایسی بد طینتوں اور بے ایمانیوں سے صحیح اعمال کو خراب نہ کرتے اور شکوک میں نہ آتے تو ان بکھیڑوں اور دھندوں میں پھنس کر اس حالت کو نہ پہنچتے۔ اب ہم پر چہار طرف سے پابندیاں اور قیود وارد ہیں۔ اگر یہ پابندیاں اور یہ قیدیں نہ ہوں تو ہماری اس قدر بھی اصلاح نہ ہوتی ۔

نیچر انسان کو سیدھے سادھے طور پر ڈیوٹی کے طریقے سکھاتی اور فرائض کے اطوار بتاتی ہے۔ مگر انسان چونکہ ایک سیدھی بات کو بھی شرائط سے ملانے کا عادی ہو گیا ہے اس واسطے اُس کو قانونی اور ضابطانہ پابندیوں سے جکڑا گیا ہے ۔

دنیا میں اکثر فساد اور اکثر برائیاں جو پیدا ہوتی ہیں ان کا اکثر اور بھاری موجب ڈیوٹی کا نہ ادا کرنا یا نہ سمجھنا ہے یا وقت کو کھو دینا۔ یا اُن کی تکمیل میں ذاتیات اور خود غرضیوں کو ملا دینا ہے ۔

لوگوں کا یہ خیال کہ دنیا کی اکثر خرابیاں اور شر و فساد اور ادبار و نکبت محض قدرتی ہواؤں کا اثر ہے کسی قدر غلط ہے۔ اکثر برائیاں اور قباحتیں ہمارے ہی برے ہاتھوں کی کمائی اور ایجاد ہیں۔ ہم انکو خود پیدا کرتے اور وجود میں لاتے ہیں۔

پہلے اپنی ڈیوٹی کو سمجھو اور پھر اُس کو پورا کرو۔ بہت سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ دراصل اُن کی ڈیوٹی ہے کیا بعض لوگ جج اور مفتی یا قاضی ہیں ان کو یہ علم نہیں کہ اُن کی اُن عہدوں میں حقیقی ڈیوٹی کیا ہے۔ اور کس غرض سے ان مناصب جلیلہ پر مقرر کئے گئے ہیں اور حکومتوں اور پبلک کو اُن سے کس بات کی آرزو ہے۔ اور اُن کا وجود یا ایسا عہدہ کیونکر سودمند ہو سکتا ہے ۔

جو لوگ یہاں تک اپنے فرائض سے ناواقف ہوں وہ اپنے اپنے مناصب کے حقائق اور فوائد کو عامہ مخلوق پر کیونکر افشا اور اظہار کر سکتے ہیں۔ اُن کے

فرضی اغراض جو غریبوں اور درویشوں پر محمول ہیں۔

خوش قسمت ہے وہ انسان جو ایسی ڈیوٹی سمجھتا ہے ۔

رُعب

بعض کیا اکثر اشخاص جن کی یہ خواہش اور یہ آرزو رہتی ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی میں با رعب سمجھے جائیں اور ہمارا رُعب تسلیم کیا جاوے ایک فرقہ میں ہی یہ آرزو نہیں پائی جاتی ہر ایک فرقہ میں کم و بیش اس قسم کے خیالات دورہ کر رہے ہیں جن لوگوں کو خداوند کریم نے مقابلۃً اچھا سایا اور اقتدار رکھتا ہے وہ بھی اس بات کے شیدا اور خواہش مند ہیں اور جن کی حالت معمولی ہے وہ بھی اسکو چاہتے اور اسکے متلاشی ہیں ۔

کثرت اشتیاق رُعب نے یہ بحث پیش کر رکھی ہے کہ کیا انسان کی یہ خواہش اور خواہشوں کی طرح طبعی تو نہیں ہے اگر رُعب کو امتیاز طبعی کی فلسفی میں محمول کیا جاوے تو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ یہ خواہش بھی طبعی ہے اور جو لوگ اس کے گرویدہ ہیں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے ۔

اس قدر تسلیم کرنے کے بعد ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ رُعب کیا چیز ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اور انسان کو اُس کے حاصل کرنے کی خواہش کس درجہ تک ہونی چاہیئے اور کیا وہ طلب امتیاز کی ایک شاخ ہے۔ اب تک رُعب کے حاصل کرنے کی بابت انسانی جماعتوں میں مختلف طور پر جس قدر خیالات گشت کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل صورتوں سے باہر نہیں ۔

قبل اس کے کہ ہم ان ملفوظات یا اقوال کو معرض بیان میں لائیں۔ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک انسان طبعاً اس بات کا خواستگار ضرور ہے کہ اُسکو اپنی سوسائٹی یا غیروں میں ایک امتیاز حاصل ہو وہ کسی نہ کسی صورت میں ممتاز سمجھا جاوے ۔

با رُعب بننے کی خواہش ہی گویا ایک قسم کی امتیاز طلبی سی ہے اس اعتبار سے کہا جاویگا کہ دراصل رُعب کی آرزو ایک امتیاز چاہنا اور ممتاز بننے کی خواہش کرنا ہے اور ان معنوں میں جو لوگ رُعب کے خواہشمند ہیں وہ کوئی بُری آرزو نہیں رکھتے بلکہ

انکے خارجی اثرات کو دور کر لیتے ہیں۔

رُعب کے لفظی معنے خوف کے ہیں۔ اور اصطلاح میں ایسے دبدبہ اور شوکت سے مراد ہے کہ جو کسی دوسرے پر دوسری وسائل سے موثر ہو۔

اس حالت موثرہ کی بابت جس قدر صورتوں میں کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں:

(الف) حکومت موجب رُعب ہے۔

(ب) بعض وقت دولت بھی موجب رُعب ہو جاتی ہیں۔

(ج) زور بازو اور قوت خداداد رعب پیدا کرتی ہے۔

(د) شکل و شباہت اور حسن باعث رعب ہے۔

(ہ) علم و فن سے بھی رعب پیدا ہوتا ہے۔

(و) نیک طبعیت سے بھی رعب بن جاتا ہے۔

(ز) انکسار زہد و ورع اور اتقا بھی موجب رعب ہے۔

(ح) ترک علائق بھی رُعب کی علامت ہے۔

(ط) بعض وقت جہالت بھی رُعب کا باعث ہوتی ہے۔

(ی) لاغرضی اور آزادی بھی رُعب دار بناتی ہے۔

(ک) ان سب موجبات بالا کا مجموعہ بھی موجب رعب ہے۔

جو لوگ دنیا میں اپنی اپنی جماعتوں کے اندر ارجمند ہیں۔ وہ ان گیارہ صورتوں بالا سے کسی نہ کسی میں داخل ہونگے۔ کسی کو کسی جہت سے رُعب حاصل ہوگا۔ اور کسی کو کسی جہت سے۔ بعض ایسے اشخاص بھی نکلینگے کہ وہ متعدد جہتوں سے باعث ہیں۔ اور بعض میں صرف ایک ہی قسم کا زور اور اثر ہے۔

ہم نے رعب کی جن مجموعی اور تعریف کی ہے۔ اس کی خواہش تقریباً اگر ہر ایک شخص کے دل میں نہیں تو اکثروں کے دلوں میں تو ضرور ہی موجود ہے اور بعض اوقات فرضی یا اخلاقی طور پر بھی ایسی حالت کے پیدا کرنے کی لازمی طور پر ضرورت پڑتی ہے اگر فرضی طور پر ایسی خاص حالت پیدا نہ کیجاوے تو امور مہمات یا ترتیب میں ایک بھاری فرق آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے لحاظ سے

یوں کہا جانا چاہئے کہ انسان [illegible] سیاسی تمدنی دور [illegible] دنیا [illegible] کو وسیلہ [illegible] ابھر رہا ہے اور یہ لازمی ہے کہ ایک طاقت کا اثر خاص طور پر دوسروں کے دلوں پر موثر ہو۔

ہم دیکھتے ہیں اور ہمارا تجربہ شہادت دیتا ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں کہ جن کی طبیعت عالی ہوتی اور [illegible] ہیں اور انکے ذاتی رعب سے عام انسان [illegible] وہ کسی قلیل [illegible] ہو [illegible] چلتے ہیں لیکن [illegible] اسواسطے زیادہ [illegible] [illegible] ہیں [illegible] اسباب [illegible] میں [illegible] عارضی اسباب [illegible] ہیں [illegible] بھی [illegible] جاتا ہے [illegible] کا علاوہ [illegible] رعب جما ہوا ہے [illegible] اس کی [illegible] علیحدگی اور تنزلی کے بعد اس میں سے کچھ بھی باقی [illegible] لوگوں کی نظر [illegible] ہی ہو جاتی ہیں۔ رعب کا دوسرا مفہوم عزت اور اعتبار ہے [illegible] جاتا ہے [illegible] اسواسطے کہ اسکا رعب اصلی [illegible] تھا جس [illegible] جس [illegible] سے اس کا قیام تھا جب وہ زائل ہو گیا تو اس کا بھی زوال آگیا۔ [illegible] ہے کہ قاضی کی قضا [illegible] ختم ہو جاتی ہے [illegible] اصلی رعب [illegible] اصلی [illegible] اکرام [illegible] وہ ہے جو اصالتاً [illegible] باقی رہتے ہیں کیا جماعت [illegible] اسواسطے صرف [illegible] اصلی رعب کی [illegible] ضرور [illegible] ہے۔

رعب کا [illegible] عارضی مفہوم [illegible] اصلی [illegible] باتوں کی تصدیق کر سکتا لیکن [illegible] انسان اور [illegible] جماعتوں کی صداقت کے خیال سے رعب کی [illegible] [illegible] ضرور [illegible] ہے۔

سوال [illegible] کہ رعب حقیقی معنوں کے اعتبار سے کن صورتوں میں مراد لیا جائے گا۔ ہم مختصر طور پر تشریح کرتے ہیں کہ درحقیقت دنیا میں [illegible] [illegible] حاصل ہے کہ جو۔

(الف) حسن اخلاق۔

(ب) اخلاقی جرات

(ج) سچی نیکی۔

(د) بے لاگ صداقت۔

(ھ) کامل ہمدردی

(و) صادق دلسوزی۔

(ز) بے عیب کمال۔

(ح) لازوال استقلال

(ط) اٹل بردباری۔

(ی) انصاف۔

کی صفات عالیہ سے متصف ہیں ایسے لوگ خواہ کسی حالت میں ہوں اور دنیاوی حیثیات کے اعتبار سے خواہ اُن کی کوئی ہی پوزیشن ہو جماعت ہو یا نہیں ملک و قوم میں شروع سے آخر تک بارعب مانے جاتے ہیں لوگ اُن کا ادب کرتے ہیں اور دل سے اُن کو واجب الاحترام اور واجب الاعزاز سمجھتے ہیں حیات و ممات دونوں میں ان کو یکساں رعب اور احترام حاصل ہے اگر وہ کوئی سیاسی یا تمدنی تعلق رکھتے ہیں تو یہ حالت اُن کو اُس سلسلہ میں بھی ممد رہا ثابت کرکے رہتی ہے۔

جو لوگ صرف امانی موہومات سے خود کو بارعب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ایک چند روزہ اثر کی آرزو میں جان باختہ ہیں۔ ان میں اُس کو قیام نہیں اور یہی دور اندیش انسانوں کی نظروں میں ایسی حالتیں باطل تو ایسا ہی باطل سے ادھوری ہیں۔

حقیقی صفات اور صادق وسائل سے رعب اور احترام حاصل کرنے کی کوشش کرو ڈنڈے اور انسانی اسباب سے ظاہری اعضا سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن دلوں پر سوائے شعور کے اور کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بات تو یہ ہے کہ دل و جگر ہو دل دل سے جوش کرے دل کو سامنے دل دل کے حضور جھکے۔

دل دل پر موثر ہو دل دل سے ڈرے دلوں پر حکومت کرو اور دلوں پر رعب ڈالو محض اور رعب محض ڈرانے کا نام نہیں بلکہ وقار احترام۔ اعتماد ... پیدا کرنے کا نام ہے مختصر معلوم ہے کہ خصوصیتیں کیونکر اور کس عمل سے انسان کو حاصل

ہو سکتی ہیں۔

اُنہیں باتوں اور اُنہیں صفات سے کہ جکا بیان اوپر کی سطروں میں ہوا ہے انسان دیوتا بنتا ہے سو جو اور سمجھو ۔

اباز حد خود شناس

یہ ایک پورانا اور صدیوں کا مقولہ ہے۔ نکلا تو ایک ہی کے منہ سے تھا۔ اور شاید اس کی اطلاقی مسٹری بہت ہی معمولی ہو۔ اور جب اسکا اطلاق کیا گیا ہو تو قائل کی غرض صرف ایاز کی نصیحت یا سننے سے ہی ہو۔ لیکن اب تو یہ فقرہ انسان زبان زد ہو گیا ہے کہ موجودہ سے نکل کر زبان قلم کے ذریعہ سے جسد کتابی میں بھی حلول کر گیا ہے۔

مطلب اس فقرہ کا اور زیادہ مشکل نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے کہ جس کی اصلاحی کتابوں میں بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور واقعی جس کی انسان کو بہت ہی ضرورت ہے اور جس کے بغیر انسان ہر دم کی فکر ایک غیر محفوظ حالت میں رہتا ہے۔ ایک پورا اصول یا پوری سچ ٹھیک کے اوپر ہی اگر یہ بہت عمر عمل درآمد رہے تو انسان کو حد سے اسی کی لالچ الٹو ہو کر حاصل ہو سکتا ہے

یہ فقرہ ایک فلاسفی کی بنیاد ہے۔ ہر ایک شے میں ہر ایک طاقت اور وجود کی ایک حد اور ایک مقدار ہے۔ جب ایک وہ طاقت اور وجود یا وہ شے اس حد اُس میں ایمن رہتی ہے تو اس کی ہستی قائم رہتی ہے یا اس میں کوئی نقص نہیں آتا ہے لیکن اگر حد روکم نہ رہے تو یا تو ہستی ہی اڑ جاتی ہے اور یا اس میں مہلک نقص عائد ہونے لگتے ہیں۔

مصری کی ایک حد اور ایک طاقت ہے۔ اگر اس حد میں مصری سے کام لیا جاوے تو اس کی سیری یا حلاوت سود مند ہو سکتی ہے لیکن اگر مصری کی حد کو توڑ دیا جاوے یا اس سے بڑھ کر کام لیا جاوے تو وہ طاقت نہ رہے گی۔ اگر یا تھوڑی مصری میں انبار پانی ڈال کر شربت بنایا جاوے تو مصری کی خصوصیت حلاوت بالکل معدوم ہو جاوے گی۔ مصری ایک طاقت ہے۔ لیکن اس حالت میں کہ جب اُس سے بلحاظ اسکی طاقت

سے کام لیا جاوے ۔

حد اور درجہ انسان کا ایک ورثہ ہے کہ جو دونوں پلوں کو برابر رکھتا ہے ۔

ہر ایک انسان کی ایک حد اور ایک درجہ ہے جب تک وہ حد یا وہ درجہ قائم رہتا ہے تب تک انسان کی زندگی سلیم طریق سے بسر ہوتی ہے اور جب حد توڑ دی جاتی ہے تو سخت نقصانات اور ناکامیابیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے ۔

جو شخص اپنی حد اور اپنا درجہ نہیں پہچانتا وہ اپنی عزت اپنے ہاتھ سے بے دام فروخت کرتا ہے اور لوگوں کو اختیار دیتا ہے کہ اُسے جس طرح چاہیں استعمال کریں ۔ جو شخص اپنی حد سے باہر ہوا ۔ ہے وہ اور لوگوں کو دعوت کرتا ہے کہ اُسے حدود عزت سے خارج کریں ۔

جس طرح انگریزی قانون میں بتلایا گیا ہے ۔ کہ ایک تھرڈ کلاس کا مجسٹریٹ سیکنڈ کلاس کے اختیارات استعمال میں لائیگا ۔ تو وہ تمام اختیارات کالعدم ثابت ہونگے ۔ اسی طرح قدرت نے بھی ہدایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی حد سے زیادہ کام لے گی اور حد توڑ دیگی تو اس کے اختیارات بھی کالعدم ہو جاوینگے ۔

جو شخص ایک آنکھ سے دونوں آنکھ کا کام لینا اور اپنے آپ کو ہر دو آنکھوں کی طرح سلیم البصر جاننا اور اپنی جسمی کے عیب کو مٹانا چاہتا ہے وہ اس ایک آنکھ کی روشنی اور بصارت کو بھی کم کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔

ایک غلام اگر آقائے نعمت کے نقش قدم پر چلکر آقائے نعمت کے حقوق کا وارث بننا چاہتا ہے تو گویا وہ اپنے آقا کی نعمت کو خود غصب کر لینے کی آرزو رکھتا ہے ۔ وہ بدنام ہوگا اور آخر رسوائی سے نکال دیا جاویگا ۔

جو لوگ اپنی حد اپنے درجہ اور اپنی طاقت کو قبول کرتے اور قائم رکھتے ہیں وہ ترقی کے درجوں پر چڑھنے کی سعی کرتے ہیں اور وہ بتدریج بامرام بھی ہو جاتے ہیں

بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اپنی حد اور اپنے درجہ کو گھٹا کر رکھنا بھی ایک عمدہ طریق عمل ہے ۔ ہماری رائے میں یہ ایک **صوفیانہ** خیال ہے جس کیواسطے تمام افراد ہی موزوں نہیں ہیں ۔ صوفیائے کرام کی منزل دور ہے ۔ وہاں کی دنیا

دنیا میں دنیاداروں کے واسطے جتنی حد سے بڑھنا اور باہر قدم رکھنا نقصان دہ ہے اتنا ہی بہت گرجانا بھی باعث نقصان ہے خصوصاً سیاسی امور میں تو کہ ہر بات حدود اور ضوابط کا قائم رکھنا نہایت لازمی اور ضروری ہے۔ اگر ایک حاکم حد سے زیادہ اور دلیر یا بہت ہی منکسر مزاج ہو اور انکسار کے جا بجا ثبوت دینے لگے تو اُس کی حکومت اور سیاست کا کیا حال ہوگا۔ ایک بادشاہ اور ایک گورنر اپنے ماتحتوں اور نوکروں سے اس قدر بے تکلف ہو جائے کہ پاس اور افسریت کا کوئی خیال ہی نہ رہے۔ تو اُن کی حکومت کس طرح چلے گی اور اُس کا حسن داب کیا ہوگا ۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی حد پہچانتے اور اپنا حد دیکھتے ہیں مبارک ہیں وہ لوگ جو افراط و تفریط سے مجتنب رہتے اور وہی عمل کرتے ہیں جو مناسب ہے۔ ہماری ترقی اور بہتر اعمال کے اختیار سے صرف دو باتوں پر موقوف ہے

الف) ہر فقرہ ایار حدود شناسی پر عمل کریں۔

ب) افراط اور تفریط سے پرہیز رہے۔

دوستو اُسی قدر پاؤں پھیلاؤ جس قدر دامن ہے اُسی قدر کہو کہ جس قدر کر سکتے ہو۔ حد کو توڑ باہر پاؤں رکھنی کا ایک سخت جرم ہے والوا ... کی کا پہلا زینہ ہے اپنا حدود شناس

"وفائے عہد"

عہد کرنا یا وعدہ دینا بُرا نہیں ہے کیونکہ اُن کی ضرورت ہے لیکن عہد کرکے اُس کا پورا نہ کرنا اور وعدہ کو ٹال دینا ایک اخلاقی کمزوری اور بزدلی ہے۔

وہی عہد کرو اور وہی وعدہ کہ جسکو تم پورا کر سکتے ہو وہی بات کہو کہ جو تمہارے حیطۂ قدرت میں ہے ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے ہوائی وعدوں اور عہدوں سے خوش تو کر سکتا ہے اور ان کے دلوں میں اپنا مقام قائم کر سکتا ہے مگر کیا اُسے اس ناانصافی اور کذب کو ورد کر لینا ... کہ جو عہد کہ جو وعدہ اس صورت میں ...

ہر عہد کے اوّل اور ہر وعدہ کے پہلے اپنے ہی دل میں اُس ندامت اور اُس شرم کو مستقل کر کے دیکھو کہ جو بد عہدی کی صورت میں رونما ظہور پذیر ہو گی۔ اگر باوجود اس کے بھی تمہارا دل قبول کرے تو تمہارا اختیار ہے۔

یہ حالت اور خوشامد کی بد عہدی اور بے وفائی کی صورت میں اُٹھانی پڑتی ہے وہ ذلت سے بدتر اور خودکشی سے بڑھ کر ہے۔ انسان کی عزت اعتبار اور وقار سے ہی ہے جس انسان کا اپنی سوسائٹی میں اعتبار اور وثوق نہیں وہ ایک کوڑی کی عزت نہیں رکھتا گو جھوٹے وعدے اور نہ پورے ہونے والے عہد کرنے سے انسان خود بھی ایک مرتبہ تو اسلئے خوش ہو جاتا ہے اور دوسرے کو بھی خوش کر دیتا ہے لیکن کون کہتا ہے کہ ایسی عارضی اور ندامت آمیز خوشی میں اُس کا دل خوف نہیں کھاتا اور دھڑکتا نہیں۔

لوگ جھوٹے وعدوں اور معاہدوں سے اپنے آپ کو ہر دل عزیز بنانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس حکمت عملی سے پبلک میں اُن کی عزت ہو اور پبلک اُنہیں بڑا ہی بامروت اور ملنسار سمجھے۔ مگر وہ غلطی کر رہے ہیں۔ پبلک کی ایک آنکھ نہیں دو ہیں جب پبلک پر یہ باتیں بار ہا کھل جاتی ہیں تو بجائے ہر دل عزیز بننے کے اُن کی ایسی کرکری ہوتی ہے کہ لوگ اُنہیں مونہوں سے وعدہ کرنے والا انسان سمجھتے ہیں اُس کی گفت و شنید و کاروباری بات کا اعتبار نہیں ہوتا اور اُسکے تمام وعدوں کو محض جھوٹی تسلی سمجھتے ہیں جب لوگ اُس کے وعدوں کی بات مذاکرہ کرتے ہیں تو دوسرے واقف کار اُس کو گپی کے نام سے مخاطب کر کے لائق خطاب نہیں سمجھتے یہاں تک کہ اُس کے عزیز دوست بھی اُس سے بیزار ہونے لگتے ہیں ایسی حالت میں ایسے ہر دل عزیز کی زندگی تلخ اور دوبھر ہو جاتی ہے وہ خود بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور اپنے کانوں سے سُنتا اور اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ لوگ اُس کی سچی باتوں کو بھی گپوڑ سے جانتے اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔

ہماری چال کو درست بھی کرتا ہے مگر بڑی ہی مشکل سے اس کا اعتبار جمتا ہے [illegible] کہ ہم اپنی طاقت اور قدرت کو نہیں سمجھتے اور یوں

ہی لوگوں کو خوش کرنے کے لئے تڑپیں گا۔ اب بیٹے دل اگر میرا ایک معاملہ بھی انصاف معاف جواب دو ... ماکریں تو کیوں ... فرزگی اور یہ تلخی پیدا ہو۔ اگر کام ہو سکتا ہے تو وعدہ وعدہ اگر مہلت کرنا چاہتے یا نہیں ہو سکتا تو صاف ... کیونکہ بعض حالت میں یہ وہ زندگی گزارنی کے وبال میں مبتلا ہو۔ تحقیق سے ... وہم ... پرنٹ ... جواب ... یہ ... کی کہ ... سے ... کر ... اور ... کو ... میں سوال ... بھی ... اور ... کو کبھی پریشان ... تمام ... کی حالت ... ان وقتوں میں ... جاو گے ... کہ لوگ ... یاد کیا جاتا ہے۔

سچ تو یہ ہے ... کی ... اگر ... سکے تا ... حاصل کرو دل ... کر ... یا ... شاید کہ ... رہ جاؤ۔ ۱۲

وقفہ

قدرت جو کچھ کر رہی ہے یا ایک قادر مطلق کی جو کچھ قدرت ہے وہ ایک وسیع اور لامحدود قانون یا ضابطہ ہے۔ اس قانون یا اُس ضابطہ کا بہت ہی تھوڑا حصہ اس دُنیا کی مخلوق جانتی یا اُس کو کچھ نہ کچھ سمجھتی ہے گو اُس وسیع قانون کے تمام مواد اور لاانتہائی رموز اور اغراض تا حال انسان کے معلومات کو کوئی نسبت نہیں کر ... تھوڑی ... حاصل ہے وہ کچھ نہ کچھ سود مند علم ہے۔ انسان کی عقل اور دوراندیشی اس ... کے نقش قدم پر چلی جاتی ہے اور بہت کچھ حاصل کر رہی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی عرصہ میں موجودہ معلومات کا ذخیرہ ایک اور بھی کافی ترقی یافتہ ہو جاوے۔

انسان نے جو کچھ اب تک حاصل کیا ہے اُس میں سے ایک یہ بھی دلچسپ تر ہے کہ قدرت نے ہر ایک کام اور ہر ایک ضابطہ کے عمل پر ایک وقفہ لازمی یا عارضی یا مستقل رکھی ہے ایک قدرتی ستیں یا ایک قدرتی طاقت ایک کام لگاتار کرتی ہے اور اُس کے بعد اُس کی رفتار میں ایک دوسری طاقت کے تداخل اور تزاحم سے

ایک وقفہ لازمی یا عارضی عائد ہو کر اُس پہلی طاقت کو ایک وقت خاص کیلئے فرصت اور مُہلت دیدیتا ہے۔

سورج نکلتا ہے اور دن ہو جاتا ہے۔ دن بھر سورج کی طرف اپنے تصرفات اور کام لگاتار مصروف رہتی ہے۔ شام ہونے کے ساتھ ہی آفتابی طاقت لگاتار رفتار چھوڑ بیٹھتی ہے۔ اور بجائے اسکے قمری دَور آجاتا ہے۔ قمری دَور کے بعد پھر آفتابی حکومت ہو جاتی ہے۔ موسموں کی تبدیلی بھی ایک قدرتی وقفہ سے ہوتی ہی ہے۔ ہوائیں بھی قدرتی وقفوں کی پابندی سے چلتی ہیں۔ فصلوں اور پیداوار کی میں بھی قدرتی وقفے ہوا کرتے ہیں۔ سلسلہ موت اور فوت اور زندگی بھی ایک وقفہ ہے جاندار پیدا ہونے کے بعد مر جاتے ہیں۔ ضابطہ وقفہ کے موافق ضروری ہے کہ موت کے بعد پھر حیات کا سلسلہ پیدا ہے اور قانونِ قدرت کی پابندی کے دائرہ میں آجاوے۔

یہ پوچھا جاتا ہے کہ قدرت بنانے والوں وقفہ کیوں رکھا ہے اور ایک تحریک سے متعدد کیوں ہو جاتا ہے۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے اور اسکی [illegible] [illegible] مگر ہم [illegible] اس مضمون میں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ [illegible] وقفہ انسانی [illegible] ایک [illegible] اور مکمل حفاظت ہے اور اگر ہم غور کریں تو [illegible] کہ اس [illegible] ہے۔ اس معمولی [illegible] میں ہم وقفہ کے قانون کا [illegible] کے نام سے [illegible] کر کے نتیجہ نکالنے کی کوشش کرینگے۔

ہم کہتے ہیں کہ قدرت نے قانون مُہلت اسواسطے پیدا کیا ہے کہ اُس کے ذریعہ سے انسان آسائش اور آرام کی حالت میں ہر کہ غیر معمولی فائدہ اُٹھاوے اور وہ راحت حاصل کرے کہ جو اُس قاعدہ کی پابندی کے سوائے مشکل الحصول ہے۔

دن کام کاج کرنے کے واسطے ہے اور رات آرام کے [illegible] اسواسطے ہے کہ انسان اور دیگر جاندار اپنی زندگی اور اپنی آسائش کیلئے یا محتاج [illegible] تو ہر اسواسطے ہے کہ جو کوئی بیداری میں اُٹھا نہ سکی ہے اُسکا [illegible] اکھٹا اس طرح سے ہے کہ بیٹھنے کے بعد اُٹھنے اور بیٹھنے کی ضرورت [illegible] علم ہو سکے

اگر ان امور میں وقفہ نہ ہوتا تو اس کی ضرورت اور سود مندی پر کوئی عملی دلیل بھی قائم نہ ہو سکتی اور انسان ایک راحت کے لئے متحمل تکلیف مزید کے قابل نہ ہو سکتا یہ وقفہ یا یہ مہلت کیوں دی گئی ہے اور کیوں دیجاتی ہے تاکہ انسان یہ تمیز کر سکے کہ لگاتار محنت یا شغل اور وقفہ کی بعد کی حالت میں عملاً کیا فرق ہے اور اگر دائمی وقفہ یا مہلت ہی اختیار کی جاوے تو اسمیں کیا لطف ہے۔

۔ لازمی بات ہے کہ ہم دانوں وقفہ کی پابندی سے طبعاً ایک لگاتار محنت یا شروع کرنے کے بعد ایک وقفہ یا ایک مہلت چاہتے ہیں ہم بڑے شوق سے ایک دلچسپ کام شروع کرتے ہیں اور شروع کے ساتھ ہی ہماری طبیعت میں یہ خیال بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس سے کبھی لازمی یا عارضی فرصت اور مہلت بھی ہونی چاہیئے۔ طالب علم۔ اہلکار۔ مزدور۔ دستکار۔ دفتر اور کارخانہ میں سمجھے جاتا ہے لیکن مہلت یا رخصت کا خیال پہلے کر لیتا ہے طبیعت اور دل خود بخود یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اس کام اور اس محنت میں رخصت اور مہلت نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک رخصت بھی ماری جاوے تو دل اداس ہو جاتا ہے۔ کیوں ہے صرف اسواسطے کہ انسان طبعاً ایک کام کے سر پر اپنے گرد رہنا ۔ کا عادی اور جوالی ہے اور اس کا تو ضمیر پہلا درس دیتا ہے کہ قدرتی قانون۔ محنت کی پابندی سے اسے کسی وقفہ کی ضرورت ہے۔ جو لوگ اور جو کارکن قدرتی وقفوں کے مطابق وقفہ نہیں چاہتے وہ بہت غیر محتاط اور غیر معقول ہیں۔ وہ اپنی طبیعت اور اپنے دل اور دماغ پر وہ بار رکھتے ہیں کہ جو قدرت نے کبھی رکھنا منظور نہیں کیا۔ کیا ایک لڑکا یک طالب علم ایک کارکن ایک مزدوری میں لگاتار بلا وقفہ کام اور محنت کرتا رہے تو کیا وہ دنیا میں سہولت سے زندہ رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ قدرت نے جگانے کے بعد نیند کیوں پیچھے لگا دی ہے۔ اور سلانے کے بعد جگاتی ہے تو کیوں جگاتی ہے صرف اسواسطے کہ ان قوتوں سے انسان کی زندگی آسانی سے بسر ہو سکے۔

ایک وقفہ یا ایک مہلت میں انسان شغل اور تصرفات کی سود مندی اور ناسود مندی پر بھی غور کر لیتا ہے۔ اور اس کو دونوں عملوں سے پتہ لگ جاتا ہے کہ بلحاظ

سوسدی اور ناسو وسدی کے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا ہے

جب ایک طالب علم کو رخصتیں ملتی ہیں تو وہ سوچ لیتا ہے کہ ایک محنت کے بعد تھوڑی سی آسائش بھی کیسی مرغوب اور قیمتی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی کہ اگر رخصتوں میں طبیعت کو ایسے آسائشی سامانوں کے بالکل آزاد ہی چھوڑ دیا جاوے تو کی گرانی محنت پر کیسا اثر پڑتا ہے

ایک مزدور جب کام چھوڑ کر مہلت حاصل کرتا ہے تو اُس کا دل اور دماغ کیسا صاف اور بشاش ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ایک محنت کے بعد آرام کرنا کیسی سچی خوشی ہے اور اُس کو پتہ لگ جاتا ہے کہ جو لوگ ساری عمر مہلت ہی میں گزار دیتے اور کاہل ہی بنتے ہیں اُن کی عزیز زندگی کس نحوست اور بے مزگی سے گزرتی ہوگی

نابکار اور جو طالب علم اور جو مزدور ہمیشہ رخصتوں پر ہی رہتے وہ رخصت کا مزا اور لطف کیا بیان کر سکتا ہے اور اُس کو محنت کی قدر و منزلت کیا ہو سکتی ہے اور وہ کیا کہہ سکتا ہے کہ سچی خوشی اور سچی آسائش محنت اور کام سے حاصل ہو سکتی ہے نہ کہ محض بیکاری اور کاہلی سے ۔

کام کرنے والے انسان اور سوچنے والی طبیعتیں مہلت اور وقفہ سے آرام حاصل کرنے کے واسطے کام اور محنت کی ضرورت کو عملی طریق سے ثابت کرتی ہیں اور یہی اُنہیں بتلاتا اور وقفہ کی کام کے بعد کیسی ضرورت ہے۔ کام کرنے کے بعد جو بھلائی ہے اور محنت کے بعد جو مزا اور لطف دیتی ہے وہ بے کاری اور سستی کی صورت میں عمر بھر نصیب نہیں ہوتی

قدرت انسان کو ابتدائی اور انتہائی میں بھی ایک وقفہ دیتی ہے اور چاہتی ہے کہ ایسی مہلتوں اور وقفوں کے اندر انسان اپنی اصلیت اور حقیقت پر غور کرے اور سوچے کہ اس زندگی میں اُس کو ضرورت کیا ہے دنیا میں زندگی کی حالت میں اچھے کام کرنا اور اخلاق رذیلہ سے مجتنب رہنا ایک محنت اور ایک واقعہ ہے موت کے بعد جو زندگی میں ایک لازمی وقفہ ہے اچھے انسانوں

پڑتا ہے ہو دیکھو کہ آیا یہ ٹھنڈ اور ایک رات منٹ کے بعد کسی انسان اور دراز مل سکتی ہے۔ دنیا اور زندگی میں اپنے اخلاق اور عادات کو درست رکھنا گویا ہمارا اور کاہل رہنا ہے۔ مرنے کے بعد ایسے انسانوں کو کبھی راحت حاصل نہیں ہو سکتی +

یہیں جہالت دیکھی ہے اور دکھائی ہے۔ اُس جہالت میں نہ پائے اور نہ دور کرنے کی کوشش کی کہ ہم نے جہالت سے پہلے کیا کچھ کرنا ہے اور آیا یہ جہالت یہیں آرام دہ ہے۔ اور ہمارے پاس ایسا ذخیرہ ہے کہ جو اس جہالت میں ہمارے کام آسکے جو اہلکار ملازمت میں دیانتداری سے بس ادا نہیں کر لیے۔ اور جو طالب علم طالب علمی کی حالت میں پورے محنتی ثابت نہیں ہوئے۔ اور جو مزدور اسی روز کی مزدوری سے بس دو وقت نہیں کما لے وہ رخصت اور چھٹی کے ایام میں آرام سے نہیں رہتے۔ جہالت اور رخصت نہیں سکھاتی ہے کہ پہلی محنت اور دلسوزی ہی رخصت میں کام آتی ہے اور اُس کے سوائے رخصت اور جہالت بھی ویسی ہو جاتی ہے۔ ایک طالب العلم نے کچھ محنت تو نہیں کی لیکن امتحان کی رخصت میں نے بس اور جہالت سمجھ کر آرام کیا۔ کالج میں حاضر ہوئے تو استاد ان کا حافظہ بالکل پکا تھا۔ اور اُسے یاد دلایا نے صاف جواب دیا تھا۔ ایام رخصت کے ساتھ بہتری کی کوئی صورت نہیں۔ واسطے اسکے کوئی سبیل نہیں کہ وہ محنت اور واجبات کو بار بار کرے اور دوسری رخصتوں کے لیے بالکل تیار ہو جاوے۔

انسان کو زندگی کے بعد ایک لمبی رخصت ملنے والی ہے۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ پھر دربار الٰہی میں حاضر ہوگا۔ کیا ہم نے اسی رخصت کے لئے کوئی سامان انتظام کیا ہے اور ہمارے معلومات کا ایسا کافی ذخیرہ ہے کہ اس جہالت یا اس رخصت کے بعد بھی کام آئے گا۔

خیال یہ تو ہوا ہے ... کا کبھی
ہم اپنے گھر سے خدا کی امید پہ نکلے

دیانت و امانت

میں کچھ خاص ضرورت نہیں سمجھتا کہ دیانت اور امانت کی خاص الفاظ میں تعریف کر دوں کیونکہ کون ہے کہ جسے ان کی تعریف معلوم نہ ہو۔ ہاں مجھے یہ بحث چھیڑنی چاہئے کہ دیانت اور امانت کی انسان کو ضرورت کہاں تک ہے اور انسانی جماعت ان میں اس ضرورت کو کہاں تک تسلیم کیا گیا ہے۔

گو ہر ایک ملک کا قانون معاشرت جدا جدا ہے اور قانون معاد میں بھی گو صورتاً اختلاف اور تضاد ہے لیکن اصل اصول آداب تہذیب و مواد اخلاقیہ سب جگہ کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ گویا اخلاقی ضروریات ہر ایک جگہ اور ہر ایک ملک میں بصورت صفات محمودہ اور اغراض محبوبہ تسلیم کی گئی ہیں۔

اخلاقی ضروریات میں اکثر ایسی ضرورتیں ہیں کہ جو مذہب اور اخلاق دونوں جہت سے ضروری الوجود ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ایک ضرورت کی مذہب تائید کرتا ہے تو اخلاق سے بھی اُس کا ثبوت ملتا ہے اور اگر اخلاق مصدق ہے تو مذہب بھی اُسکا ساتھ دیتا ہے بعض دفعہ ان دونوں کا ایسا توافق ہوتا ہے کہ مجبوراً مذہب کو اخلاق اور اخلاق کو مذہب کہنا پڑتا ہے دیانت اور امانت کی ضرورت جیسی مذہب میں مانی گئی ہے ایسی ہی اخلاق اور تمدن میں بھی تسلیم کی گئی ہے اور اگر عمیق نگاہوں سے دیکھا جائے تو مذہب نے نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں اس ضرورت اور اس صفت حسنہ کی تائید کی ہے اگر کوئی شخص محض اخلاق کی پابندی سے اس کو حاصل نہ کر سکے تو بصورت ایک مذہب کے پابند ہونے کے لازمی طور پر اُس سے محترز ہو سکتا بشرطیکہ محض عرفی طور پر اُس مذہب کا پابند اور معترف نہ ہو

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذہب اور اخلاق سوائے چند خاص امور کے جو الہیات سے زیادہ تر متعلق ہیں اُنہیں باتوں اور انہیں ضروریات کی انسان کو تعلیم دیتے ہیں کہ جو خود اس کے لئے مفید ہیں علاوہ اسکے مذہب اور اخلاق نہیں سکھاتے ہیں۔

چوری نہ کرو

زنا نہ کرو

غیبت نہ کرو

بد دیانت نہ ہو

بد زبان نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ

ہم جب اپنے وجدان پر نظر کرتے ہیں تو یہ باتیں ہمیں ہمارا وجدان اور نور ضمیر سکھاتا ہے۔ بات جدا ہے کہ کسی کا نور ضمیر بالکل ظلمت زدہ ہو گیا ہو ورنہ ہر نور ضمیر انسان کو سکھاتا ہے کہ برائی اور نیکی میں یہ فرق ہے اور اُس کو کس کی ضرورت ہے۔ ہر ایک تو کا طرز استدلال جدا ہے ورنہ مذہب اخلاق حکمت اور نور ضمیر سب کے سب یکساں دلائل سے انسان کی تربیت کرتے ہیں۔ اور چونکہ مذہب کو خصوصیت سے فیضان الٰہی سے تعلق تھا۔ اسواسطے ان سب کے مقابلہ میں سہرا اُسکے سر مڑھا۔ مذہبی پہلو سے نہیں بلکہ حکمی اور اخلاقی پہلو سے ہم ایمان سے وہ طاقت مراد لیتے ہیں کہ جو ہر ایک انسان کو قدرت کی طرف سے دی گئی ہے اور اگر ہم سے پوچھا جائے کہ ایمان کی تعریف کیا ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ایمان ایک ایسی طاقت ہے کہ جو خدا کے خوف کے ساتھ نور ضمیر کے مطابق حقیقت الامر کے تحفظ سے کام کرتی ہے جو حقیقت الامر ہے اُس سے منافی نہیں ہوتی اور اُس کے خلاف نہیں کرتی۔ دنیا میں ہر ایک انسان کو دوسرے انسان سے معاشرتی اور معادی امور میں ایک تعلق اور ایک نسبت ہے اور یہ نسبت انسان کی زندگی تک ہی نہیں بلکہ زندگی کے بعد بھی جاری اور ساری رہتی ہے۔ تمدنی ضروریات اور سماجی حوائج اور معاشرتی اغراض و معادی کیفیات کے لحاظ سے کوئی انسان ایسا نہیں کہ جسے دوسرے انسان یا دوسری جماعت سے تعلق حاصل نہ ہو۔

ہر ایک انسان کا فرض اور ڈیوٹی ہے کہ ہر ایک واسطہ اور ہر ایک تعلق کو پوری ایمانداری اور دیانت سے پورا کرے۔ ہر شخص ہر فرد اور ہر جماعت کو ایک دوسرے کے ساتھ حسب ذیل تعلقات اور نسبت ہوتی ہے

(الف) شخصی یا ذاتی

(ب) جماعتی

(ج) تمدنی۔

(د) سیاسی

(ہ) قومی

(و) مذہبی

ہر انسان کا فرض ہے کہ ایسی ہر ایک نسبت کو جو اُسے حاصل ہو پابندی ایمانداری اور دیانت کے ساتھ نباہے۔ ہر نسبت میں ایک شخص یا ایک جماعت خواہ تمدنی ہو اور خواہ سیاسی دوسرے پر اعتبار کرتی ہے اور اس کے ہاتھ میں راستی اور انصاف کی ضمانت پر ایک کیس یا ایک معاملہ دیتی ہے جس کو اصلی معاملہ یا ایسا کیس سپرد کیا جاتا ہے اُس کا فرض ہے کہ جو اسباب اور موجبات اور واقعات اُس کے سامنے پیش ہوں اُن میں ایمانداری اور دیانت کے ساتھ تفریق اور تمیز کرے اور حقیقت الامر کے مطابق تجویز کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف اسباب اور واقعات کے پیش آنے سے بعض اوقات حقیقت الامر پر روشنی نہیں پڑتی اور مغالطہ کی نوبت آجاتی ہے لیکن مغالطہ سے کوئی ناقص تجویز کر دینا دیانت داری کے خلاف نہیں ہے۔ دیانت داری کے خلاف وہی امور ہیں کہ جن میں جان بوجھ کر غلط واقعات کو شامل کر کے حسب مرضی نتیجہ نکالا گیا ہو۔

جو معاملہ اور جو کیس ہمارے سپرد کیا جاتا ہے خواہ وہ کیسی سیاست کی جانب سے ہو اور خواہ کسی تمدنی جماعت یا دیگر ثالث کی طرف سے اُس کے انفصال کے کئی پہلو ہوتے ہیں اور ہر ایک پہلو کے ساتھ مختلف واقعات کا تعلق ہوتا ہے

ذاتی کشمکشیں اور ذاتی سود و بہبود اور ساتھ ہمدردی کے خیالات کا ہجوم مضبوط دلوں کو بھی ہلا دیتا ہے اور اس مرکز پر لے آتا ہے کہ اسی دنیا سے ہم نے بھی ذاتی اغراض اور ذاتی حوائج کو رجوع کرنا ہے۔ کون دیکھتا ہے اور کون ہمیں کی تہ تک پہنچ سکتا ہے اور کیسے اُن واقعات کی خبر ہو سکتی ہے یہ ایک غلطی اور

کمزوری ہے۔ خدا بصیر ہے اور وہ دانا بینا ہے اس سے کوئی بات لگی
چھپی نہیں۔ وہ جیسے کلیات پر قادر اور علیم ہے ایسے ہی جزئیات پر بھی قادر اور
علیم ہے جب ایک قادر مطلق طاقت دیکھتی اور محسوس کرتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ
کون دیکھتا ہے ایک جرأت نہیں تو اور کیا ہے خدا کے سوائے دل اور نور ضمیر
کیا نہیں دیکھتا ہے اور ہر وقت ایسی حرکت کے موقعہ پر دل کی گھڑی ٹک ٹک
سے یہ نہیں سمجھا دیتی کہ یہ حرکت ایمانداری اور تدین کے خلاف ہے۔ کیا وہ
جوش غیرت جو ہر ایک انسان کے دل میں رکھا گیا ہے یہ شرمناک نوٹس نہیں
دبا کر ایک پاکر ایک تحت درجہ کی بزدلی اور حماقت ہے کیا اعتبار نہیں جتاتا کہ
مجھے جس ذمہ داری کے ساتھ شریک حال کیا گیا ہے۔ وہ اس امر کا متقاضی
نہیں کہ وہ ذاتی اغراض کی خاطر حقیقت الامر کو کھو دیا جائے۔ اگر ان سب
باتوں اور کششوں پر غور کی جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان اس بزدلی اور
کمزوری سے محفوظ رہ سکے مانا کہ انسان کو صداقت سے گم کیا جاتا ہے
اور مانا کہ انسان کو بعض اوقات حوائج کے ہجوم سے تنگ آ[illegible]ر بھی ہو جاتا
ہے لیکن وہ استقامت اور وہ عزم بالجزم جو انسان کی عمدہ صفات کا
ایک اعلیٰ جزو ہے اور وہ تدبیریں جیسے اس کی بہ حالت میں [illegible] ایسی
کمزوری کو کب پسند کر سکتی ہے۔ انسان کی ضرورتوں اور حاجتوں کا سلسلہ
حرص کی پاسداری اور لالچ کی تقلید سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ بڑھتا ہی رہتا ہے اور
اس میں کمی نہیں آتی۔ مرتے دم تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا کیا اس حالت میں
انسان راست بازی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسے دیانت اور امانت کی
ضرورت نہیں ہے اور کیا اس کا دل اور نور ضمیر ان کمزوریوں کے اقبال کے
واسطے تیار ہے ہرگز نہیں۔ اگرچہ انسان روزمرہ لاکھوں روپیہ بددیانتی سے
پیدا کرے اور ہزاروں کا خزانہ جمع کرے لیکن اس کا دل کبھی بھی خوش نہیں ہو
سکتا۔ جب ایک چور جانتا ہے کہ اس کا سب اثاثہ اور مال ساری چوری کی بدولت
ہے اور ہاتھ کی کمائی نہیں ہے تو وہ کس طرح پر خوش ہو سکتا ہے۔ ایک مزدور

جو دن بھر کی محنت اور مشقت سے مزدوری کما کر لاتا اور اس پر گذارہ کرتا ہے۔ اُسکا دل بمقابلہ اس بددیانت اور بدکن سے لاکھ درجہ خوش ہے۔ کہ جو دوسروں کی گلوکشی کرکے زور تھیلیاں لاتا ہے۔ کیا ایسا شخص خوشی سے بسر کرتا ہے۔ اور کیا اس کا دل شاداں اور خوش ہوگا۔ حاشا و کلا اگر وہ ایسا دعوے کرتا ہے تو اُسنے اور گناہ اپنے سر لیا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی ہمیشہ آفت اور وبال میں رہتی ہے۔ اور اُنکی جان کے واسطے ایک شرمناک اور دائمی روگ ہے۔

کتنے شرم کی بات ہے۔ ایک شخص ایک طاقت ایک باعث ہم پر بھروسہ کرتی ہے اور ہم اُس بھروسہ کا خون کرکے اپنے ذاتی اغراض اور چند روزہ لطف و مزہ کو مقدم رکھتے ہیں +

ایک شخص سے ہم قرضہ لیتے ہیں ایک شخص کا مال ہمارے پاس ودیعت ہوتا ہے ایک شخص کے مقدمہ میں ہم گواہ کئے جاتے ہیں ایک شخص کا مقدمہ ہمارے ہاتھوں میں انفصال کے واسطے آتا ہے اور ہم سفارش رشوت یا کسی ذاتی عداوت یا الاختلاط کی وجہ سے حقیقت الامر کے خلاف کر دیتے ہیں اور اُس پر خوش ہوتے ہیں۔ کیا یہ ایمانداری انسانیت اور شرافت ہے ان صفات عالیہ کو ان سے نسبت ہی کیا۔ یہ کام اُن صفات کا ہے جنہیں رذیل سے سمجھا گیا ہے

ان حرکات سے انسان کو مذہب روکتا ہے اور نور ضمیر تنبیہ کرتا ہے شرافت مانع ہوتی ہے اور اخلاق اُس کے مزاحم ہیں باوجود ان سب والدات کے انسان کا ایسا کئے جانا رذالت نہیں تو اور کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں یہ مضمون اس سبب سے نہیں لکھا کہ اس پر اس سے اوّل کچھ خامہ فرسائی نہیں کی گئی بہتوں نے لکھا ہے اور لکھیں گے ہم نے صرف اس خیال سے ان اس حصہ کو چھیڑا ہے کہ ہمارے ملک میں اس صداقت کو روز بروز ترک کیا جا رہا ہے اور بدقسمتی سے ہم مانتے ہیں اُسی طرح سے ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم میں سے اکثر افراد اس عمدہ صفت سے متصف نہیں

ہوتے ۔ اگر ہم انصاف سے کام لیں تو کچھ کچھ اس کی ہمیں تصدیق کرنی پڑے گی گو ہم اس کے کبھی معترف نہیں کہ ہماری حکمران قوم افراد میں سے یاں یا وہاں کوئی فرد بھی اس نقص میں مبتلا نہیں ہوتا ۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ ظاہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں کم و بیش ہے اور بڑے بڑے ظاہر اور حکم مراح وزیر اور امیر بھی اس سے نہیں بچے ہیں مگر ان الزامی جوابات سے یہ تو لازم نہیں آتا ہے کہ ہم اپنے افراد کو بے لوث ثابت کر سکیں یا یہ کہیں کہ جب ان میں بھی کم و بیش یہ نقص ہے تو ہمیں کون ملزم ٹھہرا سکتا ہے ۔ ہم میں یہ نقص ضرور ہے اور اس میں حکومت موجودہ کا کیا نقصان ہے کیونکہ ہمارے اس نقص اور اس بدی کا نتیجہ ہمارے ہی آجر اور مواد پر گرتا ہے ۔ ہم اصل میں ایک غیر حکومت کی طرف سے اپنے افراد پر حکمران ہیں ۔ اور اپنے افراد کو ہی اپنے ہاتھوں اور اپنے کرتبوں سے تنگ کرتے اور جو مصیبت اٹھاتے ہیں ۔ ہم پر اعتبار کیا جاتا ہے اور ہم اس اعتبار کو اپنے ہاتھوں کھوتے ہیں ہمیں معتبر اور سلیم الفطرت مانا جاتا ہے اور ہم خود کو اس کے خلاف ثابت کرتے ہیں ؞

ہمارا فرض ہے کہ ہم ملازمت میں ہی نہیں بلکہ تجارت بیوپار باہمی داد و ستد اور عہد و معاملات میں پورے ایماندار اور متدین ثابت ہوں ایمانداری اور تدین میں ہی ہماری بہتری اور ہماری عزت ہے انسان طبعاً سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے شرم کرتا ہے اور یہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کے خیالات کے مخالف اور حقیقت الامر کے منافی کوئی فعل ظہور پذیر ہو سکے ۔ پھر نہیں معلوم کہ لوگ کیوں بددیانتی سے روپیہ اور مال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بددیانت ہے تو مارے غصہ اور غیض کے ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے لیکن جب ہم دوسروں کے آگے روپیہ اور مال کے واسطے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو اس وقت ہماری حیثیت تو صرور توبہ توبہ کرتی ہے اور دل نفرت سے دیکھتا ہے ۔ لیکن ندکس ہاتھ اور بد نما انگلیاں آگے ہونے سے رکتی نہیں ہیں ۔ اور نہ ہی باعزت اور محترم چہرہ پر شرم کا

پسینہ آتا ہے۔ ہماری غلطیوں اور بے اعتنائیوں کی بنا میں خوش قسمتی سے یہاں تک کھنچ گئی ہیں کہ اب افراد حکمران میں سے بہ مشکل کے ساتھ ہی کوئی فرد ہیں دیانت دار اور ہولسٹ لکھنے کی جرأت کرتا ہے کیا ہماری یہ حالت قابل افسوس نہیں ہے اور کیا ہمیں یہ کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ ہم میں سے اکثر افراد اس قسم کے نقص سے خالی ہوں۔ اور اکثر افراد کا ذاتی جوہر دیانت داری اور امانت ہو جاوے قوم پر یہ تھوڑا دھبہ نہیں ہے اور یہ بات تھوڑی شرم کی نہیں ہے مذہب کہتا ہے اخلاق سکھاتا ہے۔ نور ضمیر توجہ دلاتا ہے اور قانون منع کرتا ہے کیا اب بھی کسی اور حکم کی انتظار ہے دیانتدار وہ ہے اور عزت اور احترام مشکل سے ملتا ہے متدین اور امین بننے کی کوشش کرو تاکہ غیر قومیں بھی تمہاری تعریف کریں۔

غیرت

ہر ایک قوم اور ہر ایک سوسائٹی میں اُس شخص کی تعریف کی جاتی ہے کہ جو غیور یا غیرت مند ہو۔ گو مفہوم غیرت اور حمیت میں بعض معاملات اور بعض کیفیات کے اعتبار سے گو وہ فرق ہے مگر جن معنوں میں کسی قوم اور کسی سوسائٹی نے غیرت کو لیا ہے۔ اُن معنوں میں غیرت مندوں کی تعریف ہی کی گئی ہے۔

گو یہ معلوم کرنا ناممکن نہیں کہ کن کن معاملات میں قوموں نے مفہوم غیرت کی بابت آپس میں اختلاف کیا ہے مگر کسی قدر مشکل ضرور ہے اکثر ایسی باتیں یا امور ہیں کہ جن میں ایک قوم غیرت مند ہے اور دوسری قوم اُس کا کچھ خیال نہیں کرتی۔ ایک امر ایک قوم کی نگاہوں میں باعث غیرت ہے اور وہی امر دوسری قوم کی نظروں میں کسی نوٹس کے قابل نہیں ہوتا۔

یہ امر ہم مان لیں گے کہ بہیئت مجموعی ساری قوموں میں غیرت کا مفہوم یا غیرت مندی کی تعریف ایک ہی ہو لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا

کہ قوموں اور افراد اقوام کے اختلاف اور رسوم معاشرت کے تضاد کی وجہ سے اس مفہوم کی تاویل میں کچھ نہ کچھ فرق بھی آگیا ہے اور وہ فرق ایسا نہیں ہے کہ اُسے محسوس نہ کیا جا سکے اس فرق اور اختلاف کی وجہ سے بادی النظر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ غیرت کی تعریف ہی مختلف فیہ ہے۔ یا یہ کہ اس کی کوئی جامع مانع تعریف کرنا چاہئیں تو زیادہ سے زیادہ ان الفاظ میں کی جا سکتی ہیں۔

جو امر یا جو فعل یا جو خیال انسان کے ان جذبات کے خلاف ہو جنہیں وہ طبعاً۔ رسماً مذہباً۔ اخلاقاً مان چکا ہے۔ وہ غیرت مندی یا حمیت ہے۔

یہ ایک ایسی قسم کی تعریف ہے کہ گو الفاظ میں جامع مانع ہو مگر مفہوماً جامع مانع نہیں ہے طبعی جذبات کو چھوڑ کر دیگر ہر ایک قسم کے جذبات میں گونا اختلاف ہے۔ اور ان میں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی یہ اپنے مذہب کے اعتبار سے مذہبی جذبات کے لحاظ سے جن جن باتوں پر غیرت کھا سکتا ہے ان میں سے اکثر امور کی بابت مسٹر پارسن کے دل میں جوش غیرت جوش اور نہیں ہو سکتا۔ ایک یورپین جن بعض باتوں رسمی کے لحاظ سے غیرت مند ہو سکتا ہے۔ ایک ہندوستانی ان میں سے اکثر پر خیال ہی نہیں کرتا

باوجود اس تضاد مفہوم کے اکثر امور میں غیرت کو ایک ہی معنے میں تاویل کیا جاتا ہے۔ نہیں کچھ ضرورت نہیں کہ اس تضاد جزوی کی وجہ سے مفہوم کلی کو چھوڑ دیں۔ ہم اس مضمون میں مفہوم کلّی کے اعتبار سے بحث کرتے ہیں

اس صورت میں بھی ہم غیرت کی انہیں الفاظ میں تعریف کریں گے کہ جن الفاظ میں اوپر کی ہے ہمارے خیال میں **غیرت یا غیرت مندی**۔ انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے۔ عام اس سے کہ وہ خاصہ بعد کو کسی پیرایہ میں تاویل کیا جائے۔ انسان طبعاً چاہتا ہے کہ جس امر پر وہ یقین رکھتا ہے اور جس کو وہ مانتا ہے اور جس سے اُس کو ایک خاص تعلق یا اعتقاد اور لگاؤ ہے اُس کے خلاف کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

جب اس کے خلاف کوئی صورت عملاً قولاً پیدا ہوتی ہے تو انسان کے خیالات میں ایک قسم کی نفرت اور جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان اس کا اظہار کسی نہ کسی پیرایہ میں کرتا ہے۔ اسی اظہار کو غیرت کہا جاتا ہے۔

اُن شخصوں نے جن کو انسانی جذبات اور طبائع کی بابت بحث اور غور کرنے کا موقعہ ملا ہے ثابت کیا ہے کہ انسان کے جذباتی ہدایات میں سے غیرت مندی ایک لازمی اور سود مند جذبہ ہے اور بعضوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ اسی اقدس اور پاکیزہ جذبہ کی بدولت انسان اکثر ترقیات کا وارث مانا گیا ہے۔ مختلف تاریخیں اور سوانح عمریاں دیکھنا ثابت اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں کہ اکثر انسانوں اور ناموروں کو حمیت اور غیرت مندی کی وجہ سے وہ خصوصیت اور وہ اعتبار حاصل ہوا ہے کہ آج تک اُن کا نام نامی تاریخی صفحوں میں محترم یادگار کے طور چلا آتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں جنگ آوروں، بہادروں نے شکست اور خاتمہ کی حالت میں صرف غیرت مندی کی وجہ سے ہی دوبارہ کامیابی حاصل کی جب بہادروں اور بڑا کے جوانوں نے دشمن کی مہلک ضربوں سے تنگ آکر شکست کی کھائی اور آگے سے بجائے پیچھے قدم کیا تو اُن میں سے خاص سپاہیوں اور افسروں نے یعنی ان آکر ایک دفعہ رُخ جو پھیرا تو جیسے پہاڑ سے دلوں کو ہلا دیا اور بگڑی ہوئی حالت کو پھر قائم کرکے دکھا دیا۔

ایک طالب علم بار بار کی ناکامیابی کی وجہ سے سخت بے دل اور بے ہمت ہو رہا ہے یک دفعہ اس کے مردہ دل میں غیرت جوش مارتی ہے اور وہ پھر ایک دفعہ قسمت آزمائی کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔

ایک ملاح سمندروں کی خوفناک لہروں سے بار بار ساحل مقصود سے دور پھینکا جاتا ہے لیکن اُس کی غیرت مندی اُس کو پھر اُنہیں لہروں میں لے جاتی ہے اور وہ آخر کار کامیاب ہو جاتی ہے۔

پہاڑوں کی دشوار گزار چوٹیوں اور بلندیوں پر باوجود اس قدر خطروں اور

تہلکوں کے سیاحوں کو کون سی طاقت کشاں کشاں لے جاتی ہے اور اُن کی رہبری کون سدھاتی ہے یہی **غیرت یا غیرت مندی**۔

ایک کمزور آدمی اور ایک نحیف الجثہ شخص جس سے چلا بھی نہیں جاتا جوش میں آکر ایک قوی تن آدمی سے مقابلہ کرتا اور اُس کو گرا دیتا ہے یہ کون طاقت ہے جو اُس میں آگئی وہی **غیرت مندی یا غیرت**۔

تاریخوں کیمیات حیات مختلفہ میں صدہا اسی قسم کے نمونے واقعات ملتے ہیں کہ جن سے اس جوہر سودمند کا پتہ چلتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کو اس کی ضرورت فی الواقع کہاں تک ہے۔

اخلاقی عالموں نے اس جوہر لطیف پر دلچسپ بحثیں کی ہیں اور ان کا رجحان بھی زیادہ تر اسی طرف رہا ہے۔ کہ انسان کو اس کی ضرورت ہے اور وہ ایک سودمند جوہر ہے اور طبعی ہے۔

اخلاقی عالموں نے یہ بحث بھی کی ہے کہ جس طرح اور اخلاقی طاقتوں یا اصولوں کو غیر ضروری اور ناسودمند مفہوموں میں تاویل کیا جاتا ہے اسی طرح غیرت کے مفہوم میں بھی غیر ضروری مواد اور اجزا کو داخل کیا گیا ہے جس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

غیرت اپنے مختلف مفاہیم کے اعتبار سے ایک قسم کی نہیں ہے اس کی موٹی موٹی قسمیں اور شعبے حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

(الف) طبعی

(ب) مذہبی

(ج) قومی

(د) رسمی

(ہ) ذہنی

طبعی غیرت عموماً ایک ہی پیمانہ اور مقدار سے ہر ایک بشر میں سوائے اُس جزوی اختلاف کے کہ جو ایک طبع کو بمقابلہ دوسری طبیعت کے حاصل ہے ہوتی ہے

ہر ایک شخص طبعاً گالی اور گندی باتوں سے متنفر ہے اور ایسی باتوں اور ایسے الفاظ کے اطلاق سے ہر ایک متنفس کی طبیعت میں ایک قسم کا غصہ اور غیرت جوش مارتی ہے۔ اور انسان اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔

ہر ایک شخص طبعاً چاہتا ہے کہ جو حق اُس کا ہے اور جسے بیک بینی سے وہ اپنا حق جائز سمجھتا ہے اُس میں کوئی دوسرا دست اندازی نہ ہو جب کوئی دوسرا اس میں دست اندازی یا حارج ہوتا ہے تو وہ غیرت کھا کر اُس کا مزاحم اور مقابل ہوتا ہے۔ جو شخص کوئی مذہب رکھتا ہے اور جس کا وہ پابند ہے اُس کا حق اور اُس کا فرض ہے کہ اُس پابندی اور تقید تک اُس کا حامی ہو اگر کوئی شخص اُس کا مزاحم ہو تو اُس کی مزاحمت کو روکے

مذہبی غیرت مندی بعض اوقات سب غیرتوں سے بڑھ جاتی ہے اور انسان اُس کے مقابلہ میں ہر ایک فائدہ اور آسائش کے چھوڑنے پر تیار ہو جاتا ہے مذہب کا تعلق زیادہ تر خیال اور دل سے ہوتا ہے جب کسی کے خیال اور دل پر حملہ کیا جائے تو وہ ایک جنون کی حالت میں غیرت کھاتا اور مقابلہ کرتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ مذہبی مداخلت سے کوئی دوسرا جوش میں نہ آئے اور غیرت نہ کھائے ایک غلط فیصلہ دیا ہے تاوقتیکہ کوئی شخص کسی خاص مذہب و ملت کا پابند ہے۔ عام اس سے کہ وہ مذہب سچا ہے خواہ کیسا ہی ہو اس کا حق ہے کہ اُس کی حمایت کرے۔ اور تاوقتیکہ ایک شخص ایک مذہب کا حامی اور معتقد ہے دوسروں کو مناسب نہیں کہ اُس مذہب کی اُس کے سامنے ناجائز طور پر محض دل دکھانے کیواسطے مذمت کریں جس طرح پر ایک حق مذہب کے پیرو کار کے دل میں مذہبی سودا سے جوش اور غیرت آتی ہے اسی طرح پر اُس مذہب کے مقتدیوں کے دلوں میں بھی جوش آتا ہے کہ جن کو حق پر نہیں سمجھا جاتا تنقید المذاہب کی بحث ایک دوسری بحث ہے اور بحیثیت مقتدی ہونے کے ایک مقتدی کے دل میں غیرت کا جوش مارنا ایک دوسرا مرحلہ ہے۔

لوگ ایک مذہب کی تحقیر کرتے اگر اس بات کو سوچ لیں کہ اگر کوئی دوسرا ان کے

معتقدہ مذہب کی تحقیر کرے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اور اُن کے دلوں پر کیا کچھ گذریگا تو شاید ایسے خیال سے باز رہنے کی کوشش کریں۔

البتہ صحیح اور دلایل شریفہ کے ساتھ ایک مذہب کا خلاف حق ثابت کرنا کوئی بُرائی اور تذلیل نہیں ہے۔ جسقدر خیالات اور مسلّمات دُنیا میں گشت کر رہے ہیں۔ اُنکی بابت تحقیقات کے دایرہ میں آکر لوگ سیکڑوں رائیں رکھتے ہیں۔ کوئی تردید کرتا ہے اور کوئی اثبات۔ اثبات تحقیقات اور تنقید میں جوش اور غیرت کھانا بھی حقیقت الامر کے خلاف ہے جو شخص ایک خیال کو حق سمجھتا ہے۔ اُس کا حق ہے کہ وہ اُسے حق حق سمجھے۔ لیکن جو اُس کو حق نہیں سمجھتا ہے اس کو بھی یہ حق ہے کہ اُس کے ناحق ہونے کے دلایل کا اظہار عام کرے اور اپنی رائے کی صحت کا ثبوت دے دُنیا میں تب ہی کوئی طاقت کوئی خیال کوئی شئے مقابلۃً ترقی پا سکتی ہے کہ جب اُس کو اصلی دلایل سے مقابلہ دوسروں کے برتر اور حق ثابت کیا جائے۔ مذہب ایک مانا ہوا خیال ہے ہر ایک کا حق ہے کہ اُس مانے ہوئے خیال کی مقابلتاً دلایل اور براہین سے تصدیق کرلے اس میں اس وقت تک کوئی بُرائی اور کوئی قباحت نہیں ہے کہ جب تک محض دل آزاری اور خودغرضانہ تذلیل کی صورت نہ پائی جائے۔

رسمی غیرت مندی کا وجود بھی پایا جاتا ہے جن باتوں اور جن خیالات کو ایک قوم یا ایک سوسائیٹی یا ایک شخص نے سچائی یا غلطی سے مان لیا ہے یا جنکو مانا جاتا ہے اُن کے خلاف اظہار سے طبیعتوں میں ایک قسم کا جوش اُٹھتا ہے اور لوگ غیرت میں آجاتے ہیں اگر ہم اس امر کو مان لیں کہ دُنیا کی رسوم اور مسلّمات میں سے اکثر حصّہ محض اعتباری طور پر تسلیم کیا گیا ہے تو شاید کوئی مسامحت نہ ہوگی۔ اس سے ہمیں انکار نہیں کہ دُنیا کے مسلّمات کی بنیاد دلایل پر ہی ہے یا یہ کہ تسلیم کے بعد دلایل کا سلسلہ قایم کیا گیا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ بہت سے امور کو محض اعتباری طور پر مان لیا گیا ہے۔ جہاں ایک امر کا اعتبار کیا جاوے وہاں دلایل کا سلسلہ یا تو منقطع کر دیا جاتا ہے اور یا خود بخود ہی رفتہ رفتہ منقطع ہو جاتا ہے اُسکے ماننے کے واسطے پھر سب سے اعلیٰ حجت صرف اعتبار کو ہی مانا جاتا ہے۔ اعتباری رسوم کے

مقابلہ میں جب کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو لوگوں میں ایک تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کہنے لگ جاتے ہیں کہ اب ہماری عزت اس امر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات ایسا کہنا اور ایسا کر دکھانا بہت سے فتوحات اور برکتوں کا موجب ہوتا ہے۔ اور انسانی جماعتوں میں ایسے حالات ایک مبارک کام انجام دکھاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات غلط فہمی سے یا اس وجہ سے کہ جس بات پر اعتبار کیا گیا ہے وہ بجائے خود ناقابل اعتبار ہے اور اس قابل بھی نہیں کہ اُس کی نسبت انسانوں میں غیرت کا جوش پیدا ہوتا۔

جوشِ غیرت بے موقع پیدا ہو کر بہت سی برائیوں اور بربادیوں کا موجب ہوتا ہے اور انسانی جماعتوں میں ایسے ایسے مہلک فسادوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے کہ پھر آسانی سے اُن کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

جوشِ غیرت ایک تلوار ہے اگر زد اچھی اور بر موقعہ ہے تو بہتر ورنہ خود زد کرنے والے کے حق میں مہلک ثابت ہوگی۔ لوگوں نے رسمی معاملات میں غیرت مندی کو ایک کھیل سمجھ رکھا ہے۔ بات بات میں غیرت کو جوش آجاتا ہے اور دوست دشمن ہو کر جان مال اور آبرو برباد کی جاتی ہیں۔ گھر میں میاں بیوی سے معمولی بات چیت ہوئی اور میاں کو غیرت نے آ دبایا بیٹے کو باپ نے کچھ سخت کہہ دیا اور بیٹا جوشِ غیرت سے دیوانہ ہو گیا۔ ایک ناسمجھ نے دہن نصیب کھولا اور دوسرا فرطِ غیرت سے مجنون ہو گیا۔

خاندانی یا قومی لغو رسوم کی پابندی میں ہمیشہ یہ کہا جاتا ہے کہ میاں اپنے اور کس طرح کریں غیرت نہیں مانتی کہ اسے چھوڑیں لوگ طعنے دیتے رہتے ہیں آخر دنیا میں رہنا ہے۔ لوگ ایسا کہیں۔ کہتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے غیرت کے مفہوم کو رسوم کے مضمون میں تبدیل کر رکھا ہے ایسے لغو امور اور لغو رسوم کی بابت غیرت کو کبھی جوش لینے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ ایک تنزل کی حالت ہے۔ اس لئے کہنا ضروری ہے کہ ایسے لغو رسوم سے سروکار رکھنے رسمی غیرت مندی کے ساتھ ساتھ ہی حقیقی غیرت کی بھی لیس ڈوری جاتی

ہے۔ دراصل یہ لین ڈوری بھی رسمی پڑاؤ سے ہی چلی ہے۔ اکثر لوگوں نے اکثر لغو
امور کو فرض کر لیا یا فرضاً مان لیا ہے۔ جب اُن کے خلاف دیکھتے ہیں تو جوش
میں آجاتے ہیں اور اطمینان کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ ہماری غیرت اس کی
متقاضی نہیں ہے۔

وصول خرچی کو اگرچہ بُرا سمجھا جاتا ہے اور فیتیں کی خرابیوں کو اگرچہ مان لیا
گیا ہے۔ لیکن اب ایک دفعہ شروع ہو کر بیٹھے تو چھوڑیں کس طرح اگر چھوڑتے
ہیں تو غیرت اس کی متقاضی نہیں ہے۔ دُنیا کو کیا مُنہ دکھائیں مقدمہ بازی نے
اگرچہ خاک سیاہ کر دیا ہے اور زندگی دوبھر نظر آتی ہے۔ لیکن اب راستی اور
صداقت سے فیصلہ کرنا اور گھر میں ہی ان نزاعات کو سلجھانا ایک شرم اور
ایک بے غیرتی ہے

جانتے ہیں کہ ہم حق پر نہیں ہیں اور قصور ہمارا ہی ہے لیکن اب اپنے
قصور کا اقرار کرنا غیرت کے خلاف ہے۔ ہماری حمیت اس کی متقاضی نہیں۔
جانتے ہیں کہ امر واقعہ یوں ہے مگر اُس کا اظہار غیرت کے منافی ہے۔ جانتے ہیں
کہ یہ عمل یا یہ فعل طبعی یا عُرفی صداقت اور پاکیزگی و شرم کے خلاف ہے۔ لیکن باز
نہیں آتے صرف اس خیال سے کہ اُس کی غیرت متقاضی نہیں ہے۔

کیا درحقیقت ان سب امور واہی کی نسبت غیرت ہی نوٹس لیتی ہے اور
غیرت ہی انسان کو آمادہ کرتی ہے۔ ہرگز نہیں جس طرح ہر ایک دیگر قوتِ طبعی
کے معاملہ میں مغالطہ موجود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیرت کے مقابلہ میں بھی غلطیاں
سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ یہ غیرت نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی احمقانہ ضد اور ہٹ
غیرت اور ضد میں فرق ہے۔ غیرت واقعات کے مطابق چلتی ہے اور ضد میں یہ
بات نہیں ہوتی۔ غیرت سے انسان کے احترام اور اکرام میں ترقی ہوتی ہے اور
ضد سے ذلت آتی ہے انسان کو چاہیئے کہ لغو اُموروں میں ضد نہ کرے اور اُس کو
غیرتمندی نہ سمجھے۔ اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو وہ ایک شرمناک مغالطہ میں ہے
قومی غیرت شخصی غیرت کا مجموعہ ہے جس طرح ہر ایک شخص کو ذاتی یا شخصی

غیرت کا جوہر حاصل ہے۔ اسی طرح بہ حیثیت مجموعی ایک قومی غیرت ہے طبعاً
ہر ایک قوم اور قومی افراد میں یہ جوہر ودیعت کیا گیا ہے کہ بحیثیت ایک قوم کے
اُس کو عزت اور حمیت حاصل ہو۔ بعض دفعہ مذہبی غیرت سے قومی غیرت کے علم
بڑھ جاتے ہیں مذہب کی بنیاد اتحاد خیالات پر ہے لیکن قوم کی بنیاد خون پر ہے
اور خون سے ہی شروع ہوتی ہے۔ جوں بعض دفعہ بمقابلہ مذہب کے زیادہ تر
سہولت سے تمام قومی رگ و ریشہ میں دورہ کرنے لگ جاتا ہے اور بجلی کی طرح
سرایت کر جاتا ہے۔ اور بصورت زیادہ تر اُن قوموں میں پائی جاتی ہے کہ جن کا
مذہب قوم سے جداگانہ ہے یا جن کی قوم مذہب کے قبول کرنے سے پہلے قائم
ہو چکی ہے جس طرح مذہبی اور رسمی غیرت مندی میں مبالغے پائے جاتے ہیں
اسی طرح قومی غیرت مندی بھی نقص سے خالی نہیں ہے۔ بعض دفعہ قومی عظمت
کے خیالات میں دوسری قوموں کو انسانیت کے درجہ سے بھی گرا دیا جاتا ہے اور
اُن سے راہ و رسم رکھنا ایک قومی ذلت خیال کیا جاتا ہے۔ ایسی ضمن میں قومی
حقوق کو بے رحمی سے تلف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی باتیں ہیں کہ جو
ایک قوم کو دوسری قوم سے متنفر کر دیتی ہیں۔ یہ غیرت نہیں ہے بلکہ ایک جاہلانہ
رعونت اور خود پسندی ہے۔ بے شک ایک قوم کی خداداد قومی عظمت ایک
عظمت ہے۔ لیکن اُس عظمت کی وجہ سے دوسری قوموں کی گردن پر چھری پھیر
دینا انصاف اور رحم کے خلاف ہے۔

کوئی قوم اُس وقت تک نہیں بنی اور نہ ہی مقابلتاً اُس کی عظمت اور شان مانی
جاتی ہے جب تک کہ خود اُس قوم کے سب افراد میں بحیثیت مجموعی قومی غیرت،
قومی حمیت، قومی دلسوزی نہ ہو۔ کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کرتی کسی قوم
کو اُس وقت تک عروج میں [illegible] جب تک کہ اُس کے ہر ایک فرد کے دل میں
بحیثیت ایک مجموعہ قومی کے جوش اور حمیت نہ ہو۔ جب تک غیرت مندی کے
اعتبار سے ایک فرد قوم سب افراد قوم کا مجموعہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور جب تک مجموعہ
قوم سب افراد کو شامل اور محتوی نہ ہو۔ تب تک نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قوم ترقی کرے

سے قائل ہے یا ترقی کر رہی ہے۔ قوموں کو کون سی کمی اٹھاتی ہے یا نیچے گراتی ہے
اور کون سی خوبی اور کون سی طاقت ان عروج سے خالی ہے جب کسی قوم
میں سے غیرت، ہمدردی اور جوش حمیت اٹھ جاتا ہے اور قوم کے افراد مجموعہ سے
جدا ہو جاتے ہیں اور مجموعہ کو افراد سے کوئی تعلق نہیں رہتا ہے اور ایک فرد قوم
میں مجموعہ کا درد اور مجموعہ کی پرستش نہیں رہتی ہے تو وہ قوم فنا ہو جاتی ہے
اگرچہ دنیا میں اس کا نام رہتا ہے لیکن جو نام سے عزت کی نگاہ سے لکھا جا رہا
وہ نہیں رہتا۔ بخلاف اس کے جس قوم اور جس قوم کے افراد میں غیرت ہمدردی اور
جوش حمیت باقی رہتا ہے وہ قوم بہت دوسری قوموں سے گوئے سبقت لے
جاتی ہے۔ اور اس وقت اس کو ایک قوم کہا جاتا ہے کثرت افراد اکثر العدد
ہونے کی وجہ سے کسی قوم کو وہ بڑی قوم سرخوشی اور برتری حاصل نہیں ہوتی
بلکہ کمالات کی وجہ سے کمالات اس حالت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب اس کے
استحصال کے واسطے کوشش اور سعی عمل میں آوے۔ سعی اور کوشش وہ پیدا نہیں
ہو سکتی تاوقتیکہ قومی جوش اور قومی غیرت نہ ہو۔

قومی جوش اور قومی غیرت نہیں پیدا ہو سکتی مگر اس وقت کہ جب ہر ایک فرد
قوم کا قائم مقام ہو سکے۔ اور ہر ایک سمجھے وہ کا مجموعہ میں جاوے یا مجموعہ افراد
کی پوزیشن میں ہو جب تک ایک فرد کی حالت اور تکلیف سے سارے افراد کی
حالت بدل نہ جاوے اور سارے مجموعہ میں حرکت نہ پیدا ہو جب تک نہیں کہا جا سکتا
کہ ایک قوم زندہ ہے۔ جتنی قومیں اس وقت ترقی یافتہ ہیں ان سب کو
صرف اس وجہ سے ترقی اور کامیابی نصیب ہوئی ہے کہ ان میں قومی روح
اور قومی عزت کام کر رہی ہے اور وہ ان دوسروں سے بڑھ گئی ہیں۔ پس جو قوم
زندہ ہونا چاہتی ہے وہ اپنے مجموعہ اور اپنے افراد میں حمیت اور غیرت کی روح
پیدا کرے اور جو افراد مجموعہ کی حالت میں آنا چاہتے ہیں انہیں لازم ہے
موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے مل کر مجموعہ بن جاویں جو کام ایک فرد
قوم قوم کا واسطے [illegible] سارے افراد اس طرف جھک جاویں اور اس کا

کامیاب ہونا اسی کامیابی سمجھیں۔ اور اُس کی ناکامیابی کو اپنی ناکامیابی سمجھ کر قومی غیرت کو جوش میں لاویں اور اس ترتیب جو بہتر ہے کام لیں اپنے اور قوم کو ایسے عزت مند ہوں تاکہ کہا جاوے کہ تم غیور ہو۔ جو قوم و شخص غیور نہیں وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے۔

خود غرضی

یہ کہنا کہ دنیا میں رہ کر ایک انسان کو دوسرے انسان سے کوئی غرض یا حاجت نہ ہو ایک فرضی خیال ہے۔ مانا کہ بہت سے ایسے انسان نکل آئیں گے کہ جن کے اغراض اور حاجات کا نمبر معاملتاً کم اور محدود ہو مگر یہ کہنا کہ سلسلہ ہی نہیں۔ درست نہیں ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں کسی سے کوئی حاجت یا غرض نہیں رکھتا یا یہ کہ مجھے عمر بھر ایسا موقعہ کبھی نہیں آنے کا تو ایک غلط خیال کی پیروی کرتا ہے۔

قدرت نے ایک سلسلہ انسانی کو دوسرے سلسلہ سے ایسا پیوند لگایا ہے کہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک کڑی سے دوسری کڑی اڑی ہے۔

یہ کہنا کہ جو اوروں کو غرض ہو نہ ہو دوسرے سے اس کا اظہار یا انجام نہیں کرنا چاہئے پہلے خیال کی طرح ہی ناممکن ہے۔ جب غرض ہوتی ہے اور حاجت پڑتی ہے مجبوراً اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے اور اس طرف مائل ہونا پڑتا ہے کہ جو اُس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ درجوں اور رتبوں پر کچھ موقوف نہیں ہر ایک درجہ اور ہر ایک کلاس میں اغراض اور حاجات کا سلسلہ موجود ہے اور ہر ایک درجہ اور کلاس والوں کو ان کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ بڑی کلاس اور بڑے درجہ والوں کو چھوٹے درجوں والوں سے اپنی حاجات کو لے جانا پڑتا ہے اس قسم کے موقعے انسان کو اکثر موقعہ پر پیش آتے ہیں۔

ان حالات میں انسان کا صاحبِ غرض اور صاحبِ حاجت ہونا کوئی بری بات نہیں ہے اور یہ کہنا پڑے گا کہ انسان اس سے بری اور محفوظ نہیں ہو سکتا

جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ میں کوئی غرض نہیں رکھتا جھوٹ بولتا اور خلاف کہتا ہے۔
جب ہر ایک شخص صاحب الاغراض واحتیاجات ہے۔ اور طبعاً ہر ایک چاہتا ہے
کہ اُس کے اغراض اوروں سے پہلے پورے ہوں۔ اور اُن سے کسی کو اعراض
اور انکار ہو تو دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک بشر خود غرض
بھی ہیں۔ اور ہر ایک کا یہ منشا ہونا چاہیئے کہ اپنے اغراض کو مقدم رکھے۔

خود غرضی اور خود غرضوں کو بالعموم بُرے ناموں اور مکروہ الفاظ سے یاد
کیا گیا ہے۔ کیا خود غرضی ایسی کوئی بُری صفت ہے اور یہ کسی انسان میں نہیں ہونی
چاہیئے۔ میری رائے میں خود غرضی سے کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے۔ لیکن خود
غرضی سے کسی شخص کی عزت کرنا اور اُس کے ساتھ تعلقات کو بڑھانا اور اُن
وسائل کو اپنے اغراض کے انجام کا محض ایک عارضی ذریعہ جاننا ایک اخلاقی کمزوری ہے
میں ایک شخص کو صرف اس واسطے دوست رکھتا ہوں کہ وہ کسی وقت یا فی الحال
میری کسی غرض کو پورا کر دے یا اس میں مدد دیوے۔ اور جس وقت وہ کام ہو
جاوے تو پھر واقف نہ ہے۔ اور وہ آنکھیں پھیریں کہ جو امداد میں نہیں۔ اُن
حالات میں واقعی ایسا شخص ایک فریب دہ اور مکار ہے۔ اُس کی دوستی محض
خود غرضی سے ہے اور پیار و محبت ایک چند روزہ اور عارضی سلسلہ ہے جب
اُس کی غرض رفع اور پوری ہو جاوے گی تب اُس کی اُلفت اور محبت کا
خاتمہ ہو جاوے گا۔

دوستی لاغرض ہو اور محبت خالص اُس کے ضمن میں اگر ایک دوست کو
امداد اور ہمدردی کی ضرورت ہے تو دوسرے دوست کا فرض ہے کہ اُس
کو مدد دیوے اور اُس کا راست بازو ثابت ہو۔ لیکن دوستی صرف اس غرض
سے کرنا کہ اغراض پورے کرائے جاویں۔ ایک بزدلانہ حکمت ہے۔ غرض نکال
کر پیچھے ہٹ جانا اور اُس آنکھوں سے نہ دیکھنا اور غرض کو ہی مقدم رکھ کر دوستی
کرنا ایک شرمناک غلطی ہے۔ دراصل یہ دوستیاں نہیں ہوتی ہیں بلکہ ایک قسم
حکمت اور چال۔ جب تک ایک کیس وکیل رہتا ہے تب تک کلائنٹ اور وکیل دونوں

دونوں اس میں اختلاط رکھتے ہیں۔ لیکن جب مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ سلسلہ
باقی نہیں رہتا۔ تجارت اور بیوپار میں خودغرضی اور خودپرستی ہوتی ہے
اور ایسی صورتوں میں خودغرضی کے سوائے کام بھی نہیں نکلتا ہے۔ لیکن دوستی
کی بنیاد خودغرضی پر رکھنا ایک کینہ پرستی ہے۔

ہر ایک دوستی واقفیت اور ملاقاتی سلسلوں سے علیحدہ ہے۔ واقفیت
اور ملاقاتی سلسلوں کی اقامت تمدن کے اغراض سے ہوتی ہے۔ لیکن دوستی
کا وجود محض تمدن کے خیال سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں تفریح روح اور
اطمینان قلب کے واسطے مستقل وسایل پیدا کئے جاتے ہیں۔ خواہ کوئی غرض
پوری ہو یا نہ ہو اُن مستقل وسایل کو باقی اور قایم رکھا جاتا ہے

بعض احباب کم حیثیت کے ہوتے ہیں وہ عموماً اغراض کو پورا نہیں کر سکتے
تو کیا اس صورت میں اُن کی محبت اور اُلفت کو برباد کر دیا جائے اور اُن کو
دوست۔ کہا جاوے گا۔ ہرگز نہیں۔ اغراض کچھ اور ہیں اور دوستی اور خلوص کچھ اور
صادق اور سچے دوست ہو۔ سچی اُلفت اور سچی محبت پیدا کرو۔ تمام اغراض
اور حاجات کو مدار رکھ کر ایک دوست کو دوسرے دوست پر فدا اور نثار ہونا
چاہئے۔ جب سچی محبت ہو جاوے گی اور خلوص میں ترقی ہوگی۔ تو کوئی وجہ ہے
کہ ایک مخلص دوسرے مخلص کی مصیبت اور تکلیف میں کام نہ آئے اور اُس کا
دل نہ پسیجے۔ اور ہمدردی نہ کرے۔ وہ رشتہ اور وہ خلوص پیدا کرو کہ تمہارے
اغراض اور تمہاری ساری حاجات خود اُسی کی حاجات اور اغراض ہو جاویں تفریق
اور دوئی رہنے ہی نہیں۔ خالص بننے کی کوشش کرو اور خالص بن جاؤ۔